أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ۝
أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝
أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۝

﴿الاعراف ۹۷ تا ۹۹﴾

تو کیا یہ بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب اچانک اُن پر رات کے وقت آ جائے جب کہ وہ سوئے ہوئے ہوں۔ یا انہیں اس سے اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا عذاب یکایک اُن پر دن کے وقت آ جائے جب کہ وہ کھیل رہے ہوں۔ کیا! یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو خسارہ پانے والی ہو۔

الہامی ادب

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِىْ وَكِيْلًا ﴿٢﴾ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿٣﴾ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿٤﴾ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴿٥﴾

﴿بنی اسرآءیل ۲ تا ۵﴾

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا۔ یہ اُن لوگوں کی اولاد تھے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا، بلاشبہ وہ ایک شکر گزار بندہ تھا۔ ہم نے بنی اسرائیل کے لیے (کتاب میں) فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو بار فساد کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ پھر جب ہمارا پہلا وعدہ آیا تو اے بنی اسرائیل ہم نے تم پر اپنے شدید جنگجو بندے بھیج دیے جو تمھارے شہروں کے اندر گھس گئے اور یہ وعدہ پورا ہونے ہی کے لیے تھا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو
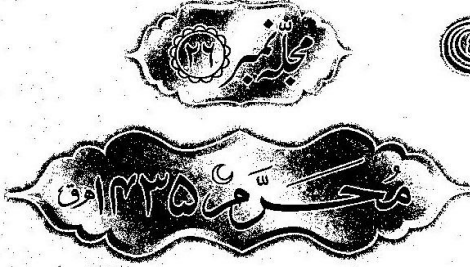
حبل اللہ

مجلہ نمبر ۲۶

محرم ۱۴۳۵ھ

زیر نگرانی

محمد حنیف

مجلس ادارت

محمدی گل

صابر علی

منور سلطان

خالد عزیز

عبد العزیز

محمد ریاض

اس شمارے میں

نمبر	موضوعات	صفحہ
۱	حدیثِ دِل	۲
۲	بدعات اور اس کے محرکات	۴
۳	ماوراء البرزخ	۱۸
۴	مَکَرُوا السَّیِّئَاتِ	۴۷
۵	وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ	۶۲

مجلہ حبل اللہ ہر قسم فرقہ پرستی، اکابر پرستی، قومیت پرستی، وطن پرستی، طاغوت پرستی، جمہوریت پرستی، اور اس جیسے دیگر تمام ناسوروں سے مبرّا ایک خالص دعوتی مجلہ ہے جو صرف اور صرف قرآن وصحیح احادیث کی روشنی میں لوگوں کو مخلوق کی بندگی سے نکال کر "الہٰ واحد" کی بندگی کی طرف بُلاتا ہے۔ (ادارہ)

مجلہ حبل اللہ درج ذیل مقام سے شائع ہوتا ہے، اس کے سوا اس کا دوسرا کوئی پتہ نہیں۔

یہ مجلہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا ہے

مقام اشاعت و خط وکتابت

مرکزی دفتر مسجد توحید

آر جی ریلوے کالونی، توحید روڈ، کیماڑی، کراچی۔ 75620 پوسٹ بکس: 7028

فون: 021-32850510 فیکس: 021-32854484

ویب: web:www. emanekhalis.com, www.therealislam.net ای میل: E-mail: hablullah@emanekhalis.com

(۱) موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کوفرعونیوں کے جوروستم کے طویل دورِ غلامی سے نجات دلا کر وادیِ سینا میں آباد کیا، جہاں اللہ تعالیٰ نے ابر کواُن کے اوپر سایہ فگن کردیا، اُن کے بارہ قبیلوں کے لیے پانی کے بارہ چشمے نکال دیے اور من وسلویٰ نازل کرکے اُن کی مہمان نوازی کا مستقل اہتمام فرمادیا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ حیرت انگیز منظر بھی دیکھا کہ ربّ کائنات کے حکم سے بحر احمر نے ان نہتے بنی اسرائیل کو ساحل تک پہنچنے کا راستہ دیا اُسی سمندر نے ان کے ظالم دشمن فرعون کے عظیم الشان مسلح لشکر کو غرق کرکے نیست ونابود کردیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مظاہرات کا مشاہدہ کرنے والی اس قوم پر ربّ کریم کے بے شمار احسانات تھے۔ احسان مندی کا تقاضہ تو یہ تھا کہ جذبۂ تشکر سے قلب وذہن کے ساتھ اس قوم کا ہر فرد اپنے حقیقی منعم ومحسن ربّ کریم کی حمد وثناء اور شکر گزاری میں بیشتر اوقات رطب اللسان رہتا، اور من حیث القوم وہ موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت وفرمانبرداری اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی دِل وجان سے پیروی کرتے رہتے۔

(۲) وادیٔ سینا میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے اُن پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت (ایمان وفضیلت) اور اُس کے احسانات کا ذکر کیا اور پُر زور انداز میں انہیں اپنے ربّ کی شکر گزاری کا احساس دلایا اور ربّ ذوالجلال کے اہم فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے خبردار کیا:

''تمہارے ربّ نے (اس فیصلے کا) اعلان کیا ہے کہ اگر تم شکر گزاری کرتے رہے تو میں بالیقین تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے کفرانِ نعمت کیا تو (یاد رکھو!) میرا عذاب بھی شدید ہوگا''۔۔۔۔(ابراھیم : ۷)

اس آیت کے اوپر ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ آفاقی فیصلہ (شکر گزاری پر نعمتوں کی فراوانی اور کفر پر شدید عذاب) دراصل بنی نوع انسان کی تخلیق کے مقصد ومنصوبے کی ہی ایک کڑی ہے، سورۃ الدھر میں فرمایا:

''بلاشبہ ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا، ہم اس کو آزمانا چاہتے تھے لہٰذا اس کو سماعت وبصارت والا (عقل ودانش سے متصف) بنایا۔ ہم نے اُسے راہ دکھائی (اور اختیار دے دیا) خواہ اب وہ شکر گزار بنے اور خواہ کفرانِ نعمت کرنے والا (ناشکرا) ہو''۔۔۔۔(الدھر :۲،۳)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ شکر گزاری اور اطاعت وفرمانبرداری لازم وملزوم ہیں، جو جتنا اطاعت کرنے والا اور حکم الٰہی بجالانے والا ہوگا وہ اتنا ہی صحیح معنوں میں اپنے ربّ کا شکر گزار ہوگا۔ اس کے برعکس اللہ کا نافرمان، سرکش، احسان فراموش اور کفرانِ نعمت کا پیکر ہوگا۔ اب کیونکہ انسان کو امتحان وآزمائش سے گزارنا تھا اور اِسی پر اُس کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار رکھا گیا تھا لہٰذا اُسے سمع وبصر عطا کی، یعنی ہوش وگوش، ذہانت وفراست اور حکمت ودانائی کے اوصاف سے نوازا گیا اور مقصدِ امتحان کے تحت فکر وعمل کی آزادی بھی دی گئی۔ نیز انسان کو **احسنِ تقویم** سے خلق فرما کر اللہ تعالیٰ نے اسے مخلوقات عالم میں بھی عز وشرف کے ساتھ **امتیازی حیثیت** عطا فرمائی (ملاحظہ ہو التین :۴، بنی اسرائیل :۷۰)۔ اس کے ساتھ **منصوبۂ امتحان** کے تحت انسان کے ازلی دشمن شیطان کو بھی مہلت دی گئی کہ وہ اُسے ورغلائے، **گمراہ کرنے** کی کوشش کرے اور اُسے شکر گزاری کے راستے سے بھٹکا کر کفر کی راہ پر لگائے۔ **اس کا یہ** مطلب بھی نہیں کہ انسان کو شیطان کے ہی حوالے کردیا گیا ہو، معاذ اللہ۔ **انسانوں کی ہدایت** کے لیے پے در پے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا رہا جو انسانوں کو **اُن کے ربّ کا پیغام** پہنچاتے اور وحی الٰہی کی روشنی میں اُن کی رہنمائی کرتے رہے، اور ان کو **اس بات سے** بھی آگاہ کرتے رہے کہ اللہ نے تم سے وعدۂ استخلاف کیا ہے بشرطیکہ تم خود کو **اس کا اہل** ثابت کیے رہو۔ اس طرح ابتدائے آفرینش سے ہی انبیاء علیہم السلام، **اُن پر ایمان لا کر اللہ کے** اطاعت گزار وشکر گزار بندوں اور شیطان کی پیروی کرنے والے اللہ کے نافرمان اور کفرانِ نعمت کرنے والے باطل کے پرستاروں کے درمیان کشمکش اور معرکہ آرائی رہی ہے لیکن اہل ایمان کو اللہ کی تائید ونصرت سے ہمیشہ باطل پر غلبہ حاصل رہا (الصف:۱۴)

(۳) انسانی تاریخ گواہ ہے کہ مختلف ادوار میں صابر وشاکر اطاعت شعار اہل ایمان پر بارانِ رحمت اور خیر وبرکت کی فراوانی ہوتی رہی ہے، نیز وعدۂ استخلاف کے تحت اقوام عالم میں اُنہیں **فضیلت وبرتری** حاصل رہی ہے۔ لیکن یہ بھی تاریخ کا المیہ ہے کہ عروج وکمال تک **پہنچ کر انسان جلد ہی** اپنے دشمن شیطان لعین کے جال میں پھنس جاتا ہے اور **حامل کتاب ہو کر بھی کتاب اللہ** کی ہدایات اور اپنے نبی کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر **آخرت فراموشی کی روش اپنا لیتا ہے**، اور بالآخر اللہ کا نافرمان اور اس کی نعمتوں **کا کفران کرنے والا بن کر اس کے قہر وغضب کو بھڑکانے** لگتا ہے۔ چنانچہ جب اللہ کے فیصلے کے **مطابق اس نافرمان قوم پر عذاب** آجاتا ہے تو عزت ووقار کی جگہ ذلت ورسوائی **مقدر ہو جاتی** ہے پھر وہی قومیں جو ماتحت اور باج گزار ہوتی تھیں اب وہ اس پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ قوم یہود کی جو واقعات قرآن میں بیان کیے گئے وہ بھی مذکورہ **اُصول کا عملی نمونہ پیش** کرتے ہیں۔ یہاں اُن کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔ اُوپر کی سطور میں بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم پر اللہ کے احسانات اور اس کی عنایات کا ذکر کرکے اُن کو متنبہ کردیا تھا کہ اگر شکر گزاری کی روش پر رہو گے تو اللہ کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا رہے گا اور کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار کروگے تو شدید عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ گے۔ لیکن اس قوم نے نبی کی نصیحت سے بے پرواہ ہو کر نافرمانی کی روش اختیار کرلی۔ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تھوڑے عرصے بعد جب اللہ کے فضل وکرم سے ارض مقدس میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو اللہ کے حکم کے مطابق سجدہ ریزی کرتے ہوئے عاجزانہ انداز میں داخل ہونے کے بجائے وہ احسان فراموش اور نافرمان لوگ سُرین کے بل داخل ہوئے اور اللہ کے بتائے ہوئے کلمات کی جگہ اپنے ذہن سے گھڑے ہوئے کلمات کہتے رہے (البقرۃ : ۵۹)۔ اس کے علاوہ ساحلی بستی کی رہنے والی قوم یہود نے حیلہ سازی کرکے سبت کے قانون کو توڑا تو اس کی سرکشی کے سبب اُن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور اُن کو بندر بنادیا گیا (الاعراف : ۱۶۶)۔ الغرض اُن کی مسلسل نافرمانیوں پر بالآخر انہیں من حیث القوم فضیلت والے منصب سے معزول کردیا گیا سخت حتمی فیصلہ کردیا گیا کہ اب تا قیامت قوم یہود پر ایسے لوگوں کو مسلط کیا جاتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب دیں گے (الاعراف:۱۶۷)۔

بنی اسرائیل کی تاریخ پر یہ آیات پوری طرح صادق آرہی ہیں جو ان کی

ہلاکت و بربادی اور ذلت و رسوائی کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ان میں بابل و رومؔ کے ہاتھوں ان کی ہلاکت وتباہ کاری اور جلاوطنی کے واقعات تو بہت ہی عبرت انگیز ہیں۔ بڑی تعداد میں قتل وغارت گری کے بعد یہودی بستیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اوران کی کثیر تعداد کو بابل کی جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ جہاں یہ طویل عرصے تک قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے رہے۔ پھر جب ایران نے بابل کو شکست دی تو یہودیوں کو بھی آزاد کرا کے اُن کے وطن میں آباد کرایا اس طرح انہیں سنبھلنے کا موقعہ ملا۔اس طرح بعد میں اللہ کے فیصلے کے مطابق انہیں عذاب کے بعد بطور مہلت اللہ کی رسی یا لوگوں کے سہارے یا ان کی سرپرستی میں بہتری وخوشحالی کے مواقع ملتے رہے (آل عمران:۱۱۲)

چنانچہ بابلؔ اور رومؔ کے ہاتھوں تباہی و بربادی کے بعد سنبھالا ملا، بہتری اور خوشحالی کا دور آیا۔ مدینے میں تو اُن کے قبیلوں کو خوب خوشحالی وفراوانی حاصل رہی تھی لیکن وہاں بھی ہجرت کے کچھ ہی عرصے کے بعد کیے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزیوں کے بعد اور اسلام کے خلاف سازشوں اور فتنہ انگیزیوں پر ان کی پکڑ کی گئی اور ہلاکت وجلاوطنی کی صورت میں رسوا کن سزا دی گئی۔ چنانچہ اللہ کی نافرمانی اور سرکشی پر پے درپے اللہ کے عذاب میں مبتلا کیے جاتے رہے ہیں۔پچھلی صدی میں یورپ میں ان کی سازشوں کے سبب ہٹلر کے ہاتھوں قوم یہود کو عبرتناک سزا ملی لاکھوں کو بھون ڈالا گیا اور پھر وہ مختلف ممالک میں منتشر ہوگئے۔بعض ممالک، امریکہ وآسٹریلیا وغیرہ میں بھی انہیں قدم جمانے کا موقع ملا تو رفتہ رفتہ بین الاقوامی اِداروں میں اثر ورسوخ حاصل کر لیے اور آج تو وہ بڑی قوموں کی سرپرستی میں دنیا کی سیاست اور اقتصادی نظام پر چھائے ہوئے ہیں، اور فلسطین کے علاقے میں اپنی اسرائیلی مملکت بھی قائم کر چکے ہیں۔جس منظّم تحریک اور سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کے ذریعے وہ قلیل عرصے میں عروج پر پہنچے ہیں اب انہی بین الاقوامی سازشوں اور فتنہ سازیوں سے دنیا میں تباہی اور خون ریزی میں حد سے تجاوز کرتے ہوئے اللہ کے غضب کو بھڑکا رہے ہیں۔قریب ہے کہ اللہ کا فیصلہ پھر صادر ہو اور ان پر وہ عذاب ٹوٹ پڑے جو پہلے سے بھی زیادہ ہلاکت خیز اور عبرت ناک ہو، اللہ پناہ میں رکھے!

❹ قومِ یہود کی تاریخ عروج وزوال اور اللہ کے عذاب پر مشتمل ایک عبرت ناک داستان ہے جس کو گزشتہ سطور میں اجمالاً بیان کیا گیا۔ یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ اللہ کے مذکورہ فیصلے پر عمل درآمد کا یہ معاملہ یہود کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر حامل کتاب اُمتؔ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ اِس آخری اُمت مسلمہ سے کیا گیا وعدۂ استخلاف بھی اس شرط کے ساتھ تھا کہ ''میری ہی عبادت کرتے رہیں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے'' (النور:۵۵) اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول پر اپنے دین کی تکمیل کی اور اس امّت کو متنبہ کر دیا کہ اس منصب پر اُس وقت تک فائز رہو گے جب تک شرک سے قطعاً مجتنب رہو گے۔قرآن میں اُن کو اس عظیم نعمت کا احساس دلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے اُن میں آخری رسول ﷺ کو مبعوث کیا جو کتاب اللہ کی آیات تلاوت کرتا، اُن کا تزکیۂ نفس کرتا اور کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا تھا اور وہ کچھ سکھاتا جو وہ نہ جانتے تھے۔اس کے ساتھ ہی اُن کو یہ بھی تاکید کی گئی کہ ''مجھے یاد رکھنا تو میں تمہیں یاد رکھوں گا، میری شکرگزاری کرتے رہنا اور ناشکری (کفرانِ نعمت) نہ کرنا'' (البقرۃ:۱۵۲) خلافت راشدہ میں اور پھر اس کے بعد خیر القرون میں جب تک وہ کتاب اللہ سے تمسک کیے رہے اور اس عظیم نعمت کی قدر دانی کا حق ادا کرتے ہوئے اس منصب کے اہل رہے تو ان میں بارانِ رحمت اور خیر و برکت کی خوب فراوانی رہی اور اقوامِ عالم میں ان کو فضیلت و برتری ملی رہی۔لیکن پھر رفتہ رفتہ صورتحال بدلی اور تاریخ نے کروٹ لی۔اُمت کے بااثر عناصر احبار ورہبان اور صاحبِ اقتدار لوگوں پر شیطان کو قابو حاصل ہوا، کتاب اللہ سے دوری اور آخرت فراموشی نے زیادہ سے زیادہ دنیا پرستی کا شائق بنایا، پھر شکرگزاری کی بجائے کفرانِ نعمت کا ذوق اپنایا گیا۔پھر اس امتِ واحدہ کو فرقوں اور مسلکوں میں تقسیم کیا گیا کتاب اللہ کی آیات اور رسول ﷺ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر مشرکانہ عقائد کو ایمان میں شامل کیا گیا، منکر وموضوع روایات پر مبنی اکابرین کے اقوال اور فتاوٰوں کو قرآن کی آیات اور صحیح احادیث پر فوقیت دی گئی اور انجامِ کار اس شرک آلودہ خودساختہ دین کو ملمّع سازی کر کے ایمان خالص پر مبنی دینِ حق پر مسلّط کر دیا گیا۔چنانچہ قبریں مزار بن گئیں قبر کے مُردے داتا، مشکل کشا بنا دیے گئے جن کو مشکل ومصیبت میں پکارا جانے لگا۔پھر ان مزاروں پر بے اولادوں کو اولادیں ملنے لگیں اور لوگوں کی کھوٹی قسمتیں کھری ہونے لگیں، چنانچہ اللہ کی شکرگزاری کے بجائے اِن بناوٹی معبودوں کی شکرگزاری کے لیے نذر ونیاز کو دین کا لازمی حصہ قرار دے لیا گیا۔الغرض جب انہوں نے اللہ کی نافرمانی اور سرکشی میں حد سے تجاوز کیا اور اللہ کے قہر وغضب کو بھڑکایا تو ان پر اللہ کا عذاب بتدریج بڑھتا گیا۔اس حامل قرآن قوم کی صدیوں کی تاریخ اس کے کرتوت اور اس کو دی گئی سزا کی آئینہ دار ہے۔ان پر بیرونی اقوام کا تسلط اور ظالم حکمرانوں کی عمل داری اللہ کا عذاب ہے۔پھر زلزلوں اور سیلابوں کی شکل میں بھی عذاب پے درپے آرہا ہے اور موسلا دھار بارشوں سے تباہی میں اضافہ ہورہا ہے۔کچھ عرصے قبل بالاکوٹ کے علاقے میں شدید زلزلے نے عبرت ناک تباہی کا منظر پیش کیا۔فلک بوس عمارتیں جو عیاشی کے اڈے بنے ہوئے تھے زمیں بوس ہوکر رہ گئی تھیں، پہاڑی راستے شگاف زدہ ہوگئے، وسیع علاقہ تباہ ہوا، کثیر آبادی منتقل ہوئی اور خیمہ بستیاں آباد ہوگئیں۔دُور دُور حدِ نگاہ تک خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔ابھی لوگ اُس زلزلے کو نہ بھولے ہوں گے کہ حال ہی میں اس سے بھی زیادہ شدید زلزلوں کے دو جھٹکوں نے صوبۂ بلوچستان میں آواران کے علاقے اور اطراف میں تباہی مچادی۔ دوسری طرف ملک میں دہشت گردی کے سبب خوں ریزی عام ہے اور ڈرون حملوں میں اَن گنت انسانی جانیں ناحق ضائع ہورہی ہیں۔ان میں کتنے ہی خاندان تباہ ہورہے ہیں، عورتیں بیوہ ہورہی ہیں اور بچے یتیم ہورہے ہیں، مگر کوئی پُرسانِ حال نہیں حتیٰ کہ بین الاقوامی ادارے نام نہاد اقوامِ متحدہ میں اٹھائی گئی آواز بھی صدا بہ صحرا ثابت ہورہی ہے۔قرآن میں مختلف صورتوں کا ذکر ہے ''(اے نبی ﷺ) کہہ دو کہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ تمہارے اُوپر سے عذاب دے یا پیروں کے نیچے سے یا تمہیں گروہوں میں منقسم کر کے ایک گروہ کی طاقت کا مزا دوسروں کو چکھائے'۔۔۔ (الانعام:۶۵)

آج اس کلمہ گو اُمت پر جو حامل کتاب ہوکر نااہل ہوگئی ہے، ان تمام ہی صورتوں میں عذاب نازل ہورہا ہے۔ یہ وہی شدید سزا ہے جس مذکورہ صدر آیت میں وعید سنائی گئی تھی، اللہ تعالیٰ مزید عذاب سے بچائے۔ آمین۔اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ بارگاہِ ربّانی میں گڑگڑا کر معافی ومغفرت اور رحم کی التجائیں کی جائیں کیا عجب کہ اللہ کا قہر وغضب اس کی رحمت ومغفرت میں بدل جائے۔

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ﴿٩٠﴾

بدعات اور اس کے مُحرِّکات

بدعت

''اَلْبِدْعَةُ'' جسے اردو زبان میں ''بدعت'' لکھا اور پڑھا جاتا ہے، جس کے لغوی معنٰی ہوتے ہیں: ہر وہ چیز جو بغیر کسی سابق مثال کے بنائی جائے۔ اس کا مادّہ ب د ع ہے بَدَعَ ، یَبْدَعُ ، بَدْعاً ثلاثی مجرّد کے باب فَتَحَ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ''اَلْبَدِیْعُ'' کا تعلق بھی اسی فعل سے ہے، جیسے قرآن کی آیت ہے:

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴿البقرہ: ۱۱۷﴾

''(وہی اللہ) آسمان وزمین کا مُوجد ہے''۔

احادیث میں ''اَلْبِدْعَةُ'' کا مترادف ''اَلْمُحْدَثَةُ'' بھی آیا ہے لیکن اردو میں بدعت کا لفظ ہی مستعمل ہے۔ لُغت کے اعتبار سے نئی چیز کی ایجاد کو ''بدعت'' کہتے ہیں جبکہ اصطلاح شرع میں ہر اُس طریقے یا عبادت کا ایجاد کرنا جسے نبی ﷺ اور صَحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (خصوصاً خلفائے راشدین) نے اپنی قدرت کے باوجود نہ کیا ہو، اُسے ''بِدْعَتْ'' کہا جاتا ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں کوئی عقیدہ اور عمل کتنا ہی خوبصورت اور خوشنما کیوں نہ ہو۔ جیسے اَوراد و وظائف سے متعلق نت نئے عملیات یا زمان ومکان کے حوالے سے کسی مخصوص تہوار کا منانا اور پھر مخصوص قسم کی (قولی، فعلی یا مالی) ''عبادات کا اہتمام''۔ یہ سب کے سب ''بدعت'' کے کام ہیں۔ گویا کہ ''اَلْبِدْعَةُ'' اپنے اصطلاحی مفہوم کے لحاظ سے ''اَلسُّنَّةُ'' کے عین متضاد ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ .... ﴿الحجرات: ۱﴾

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مت بڑھو آگے اللہ اور اس کے رسول کے (احکامات وہدایات سے) اور ڈرو اللہ سے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر واضح فرمادیا کہ دین کے معاملے میں بالخصوص اور دنیاوی معاملے میں بالعموم، اللہ اور اس کے رسول ہی کی اطاعت کو اپنا نصب العین بناؤ۔ اپنی طرف سے دین میں اضافے (بدعات ایجاد) کرکے اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی کی جسارت نہ کرو! اس سلسلے میں سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ﴿الشوریٰ: ۲۱﴾

''کیا ان لوگوں کے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے ایسا دین ایجاد کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی''

اس آیت میں اَمْ بمعنیٰ ''کیا'' استفہام انکاری کے طور پر صدر کلام میں آرہا ہے اور اس طرزِ خطاب سے دراصل یہ نکتہ ذہن نشین کرایا جارہا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اس لیے دین سازی کا اختیار بھی کسی کو نہیں۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴿آل عمران: ۱۹﴾

''بے شک دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے''۔

اور اسلام کی تکمیل نبی ﷺ کی زندگی ہی میں ہوچکی تھی جس کے بارے میں ربّ العالمین نے قرآن میں زبانِ نبوت سے اعلان فرمادیا تھا:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴿المائدہ: ۳﴾

''آج مکمل کردیا میں نے تم لوگوں کے لیے تمہارا دین اور تمام کردی تم لوگوں پر اپنی نعمت اور پسند کرلیا تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین''۔

اس آیت میں تکمیلِ دین کے اعلان کے ذریعے گویا اس بات کا اعلان فرمادیا گیا کہ اب دینِ اسلام میں کسی بھی قسم کی کمی بیشی کا خاتمہ ہوگیا۔ مطلب یہ کہ جو بات اُس دن دین میں شامل نہ تھی اُس کو آج بھی دین میں ہرگز شامل نہیں کیا جائیگا۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں واضح کیا گیا:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ﴿آل عمران: ۸۵﴾

''جو کوئی چاہے گا اسلام کے سوا کسی بھی (خودساختہ یا ردوبدل اور ملاوٹ والے) دین کو تو وہ ہرگز اُس سے قبول نہ کیا جائیگا''۔

لہذا، قرآن اور صحیح احادیث پر مشتمل دین اسلام کے علاوہ، تمام اَدیانِ باطل مردود ہیں۔ سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴿الاعراف: ۵۴﴾

خبردار رہو! تخلیق بھی اُسی (اللہ) کی ہے اور حکم بھی اُسی کا ہے''

اور سورۃ یونس میں ارشاد ہے

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ﴿یونس: ۳۲﴾

''پس حق کے (ظاہر ہونے کے) بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا؟

بدعت کی مذمت میں چند احادیث

”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ فِيْهِ فَهُوَرَدٌّ“

(صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود)

اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ”جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے اس دین میں نہیں تو وہ کام مردود ہے۔“

امام بخاری نے اپنی صحیح میں بزرگ صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فکرانگیز قول بھی نقل کیا ہے۔

قَالَ عَبْدُاللهِ اِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ وَاَحْسَنَ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ......

(صحیح بخاری :کتاب الاعتصام بالکتب والسنة باب الا قتداء بسنن رسول ﷺ)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب طریقوں سے اچھا محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور سب کاموں میں برے کام وہ ہیں جو نئے نکالے جائیں۔

سنن ابن ماجہ میں اس مضمون کی ایک حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی گئی ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِنَّمَا هُمَا اثْنَتَانِ الْكَلَامُ وَالْهَدْيُ فَاَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللهِ وَاَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ اَلَاوَاِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتُ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

(سنن ابن ماجه کتا ب سنة رسول الله باب اجتنا ب البدع و الجدل)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”دو چیزیں ہیں ایک کلام اور دوسرا طریقہ پس عمدہ کلام، اللہ کا کلام ہے اور اچھا طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ خبردار نئے کاموں سے بچو کیونکہ نئے کام سب سے برے ہیں۔ اور (دین سے متعلق) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی“۔

اس باب میں ابن ماجہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی ایک حدیث نقل کی ہے۔ اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب وہی ہے جو درج بالا حدیث کا ہے۔

بدعت کے جواز میں مبتدعین (اہل بدعت) کی لغو دلیل

صحیح بخاری میں عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان کی ایک رات میں مسجد (مسجد نبوی) میں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کی الگ الگ ٹولیاں ہیں۔ کہیں ایک ہی شخص اکیلا صلوٰۃ (صلوٰۃ اللّیل) پڑھ رہا ہے اور کہیں کسی کے پیچھے تھوڑی سی جماعت ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ (جو اُس وقت امیر المؤمنین تھے) کہنے لگے اگر میں اِن سب کو ایک ہی قاری کے پیچھے کردوں تو اچھا ہوگا۔ پھر انہوں نے اسی ارادے سے سب کو اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مقتدی کر دیا۔ اس کے بعد میں ایک رات جو اُن کے ساتھ گیا تو دیکھا سب اپنے قاری کے پیچھے صلوٰۃ پڑھ رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ نیا کام اچھا ہوگیا، اور رات کا وہ حصہ جس میں تم سوئے رہتے ہو اُس حصے سے افضل ہے جس میں تم صلوٰۃ پڑھتے ہو، اور لوگ رات کے شروع ہی میں صلوٰۃ پڑھ لیتے تھے۔

(ملخصاً صحیح بخاری کتا ب الصوم باب فضل من قام رمضان)

اس روایت میں عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ (یعنی یہ نیا کام بہتر ہے) مبتدعین کے استدلال کی بنیاد ہے۔ انہی الفاظ سے انہوں نے ”بِدْعَتِ حَسَنَه“ کی اصطلاح ایجاد کرڈالی ہے۔ حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ”البدعة“ کا لفظ صرف لغوی معنوں میں استعمال کیا تھا نہ کہ اصطلاحی معنیٰ میں۔

نیز اس باب میں بخاری نے اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ماہِ صیام میں تین راتیں نبی ﷺ کی اقتدا میں صلوٰۃ اللّیل ادا کی تھی لیکن پھر اس کے بعد نبی ﷺ نے عمداً ان کی امامت ترک کردی اس ڈر سے کہ کہیں صلوٰۃ اللّیل فرض نہ ہو جائے۔ لیکن نبی ﷺ کی وفات کے بعد اس کے فرض ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا، اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی وفات کے بعد الگ الگ ٹولیوں میں صلوٰۃ اللّیل با جماعت ادا کرنے لگے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے صرف یہ کیا کہ الگ الگ جماعتوں کو یکجا کر کے ایک جماعت کی شکل دے دی۔ لہٰذا عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول اور اس فعل سے بدعتِ حسنة کی اصطلاح ایجاد کرنا، اور پھر اس عنوان سے ہر خلاف شرع کام کو سندِ جواز مہیا کرنا، اللہ کے دین سے کھلی بغاوت ہے۔ صلوٰۃ اللّیل با جماعت ادا کرنا نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا پسندیدہ عمل رہا، جس کو مصلحت کے تحت ہی ترک کیا گیا تھا۔ ایسا فعل بھلا بدعت کیسے ہوسکتا ہے! بڑی بے باکی کی بات ہے کہ سنت کو ”بدعتِ حَسَنه“ قرار دے کر اپنی بدعات کے لیے جواز پیدا کرلیا گیا۔

جیسا کہ مسیحیوں نے اللہ کے حکم کے بغیر اپنی صوابدید پر ”رہبانیت“ کے عنوان سے عبادات کا طریقہ گھڑ لیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُسے بدعت قرار دیا:

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ﴿الحدید:۲۷﴾

”اور رہبانیت (ترک دنیا) انھوں نے خود ایجاد کرلی، ہم نے اُسے ان پر واجب نہیں کیا تھا“۔

اسی طرح اس آخری اُمت کے کلمہ پڑھنے والوں کی اکثریت نے رہبانیت کی طرز پر ”تصوف“ کو اپنایا ہوا ہے۔ دراصل دین سازی کی جرأت کرتے ہوئے اسلام کے مقابل وضع کردہ یہ دین طریقت جسے ”تصوف“ کہا جاتا ہے، کتاب اللہ اور سنت نبوی کے برعکس عبادات ومعاملات اور نظریات

کے انوکھے فلسفوں کا ملغوبہ ہے۔

اس تمہید کے بعد اب اُمت میں شرک وبدعات کے رواج پانے سے متعلق چند بنیادی محرکات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱ غلوّ فی الدین:

غلو کہتے ہیں ناحق اضافے یا مبالغے کو۔ نصاریٰ اپنی بداعمالیوں اور جن خرابیوں کے سبب راہِ راست سے بھٹک کر قعرِ مُضلّت میں گرے ہیں، ان خرابیوں میں سے ایک خرابی دین میں غلو تھی۔ انہوں نے اللہ کے بندے اور اس کے رسول عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کے معاملے میں حد درجہ غلو کا مظاہرہ کر کے انہیں اِلٰہ کا درجہ دے دیا تھا۔ ان کے اس بدعی عقیدے پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نہایت بلیغ اور دلنشیں الفاظ میں تنقید فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿النساء: ۱۷۱﴾

''اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ اور اللہ کے معاملے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو محض اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک روح ہے پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور مت کہو کہ اِلٰہ تین ہیں (باپ، بیٹا اور روح القدس) اس (دعوے) سے باز آجاؤ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ بے شک اللہ ہی اکیلا اِلٰہ ہے۔ وہ (اس کمزوری) سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی مِلک ہے۔ اور اللہ ہی نگہبان کافی ہے''

سورۃ المائدہ میں بھی نصاریٰ کی اس خرابی (غلو فی الدین) پر مؤثر انداز میں تنقید کی گئی ہے اللہ کا ارشاد ہے:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿المائدہ: ۷۵تا۷۷﴾

''مسیح ابنِ مریم تو صرف اللہ کا رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی رسول ہو گزرے ہیں اور اس کی ماں سچی عورت ہے۔ وہ ماں اور بیٹا دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھیے (اے نبی ﷺ) ہم کس طرح اُن کے لیے آیتیں بیان کرتے ہیں پھر دیکھیے یہ کس طرح بھٹک رہے ہیں۔ کہہ دیجیے کیا تم اللہ کے سوا ایسوں کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اور اللہ ہی سننے والا اور علم والا ہے۔ کہہ دیجیے! اے اہلِ کتاب تم لوگ اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشات کی اطاعت نہ کرو جو پہلے ہی گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے اکثریت کو گمراہ کر دیا ہے اور راہِ راست سے بھٹک کر دُور جا پڑے ہیں''۔

نصاریٰ کے خود ساختہ عقائد اور خاص طور پر عقیدۂ تثلیث پر قرآن نے جس انداز سے تبصرہ کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کوئی انسان اس سے بہتر تبصرہ نہیں کر سکتا۔ تاہم اللہ کی ان آیات سے اہلِ کتاب نے قطعاً کوئی اثر قبول نہیں کیا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ سَمِعَ عُمَرَ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ لَاتَطْرُوْنِيْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللهِ وَرَسُوْلُهٗ.

(بخاری کتاب بدأ الخلق باب واذکر فی الکتاب مریم..)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ برسرِ منبر کہتے تھے میں نے نبی ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: ''مجھے اتنا مت بڑھاؤ جیسے نصاریٰ نے مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو بڑھا دیا۔ میں تو صرف اس کا بندہ ہوں تم بھی یہی کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول''۔

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان نگاہ میں رکھیے اور پھر کھلی آنکھوں سے ابناء امت کے حال وقال اور ذاتِ نبوی کے تعلق سے امت کے اندر رواج پذیر معتقدات کا قرآن وسنّت کی روشنی میں جائزہ لیجیے۔ آپ یقیناً یہ تلخ حقیقت ماننے پر مجبور ہو جائیں گے کہ جس بات کا نبی ﷺ کو اندیشہ تھا وہ ہو کر رہی۔ ان کلمہ پڑھنے والوں نے (بطورِ مزعومہ اصطلاح) ''عشقِ رسول'' کے عنوان سے اللہ کے آخری رسول ﷺ کے ساتھ بالکل ویسا ہی معاملہ کیا جیسا کہ نصاریٰ نے اللہ کے رسول عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کو اللہ کا شریک ثابت کرنے کے لیے بے شمار جھوٹی روایات وضع کی گئیں۔ اور وضع کرنے والوں نے ان روایات کو نبی ﷺ سے منسوب کر دیا۔

کہتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا:

(الف) خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللهِ ''میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا''

یہ صریح جھوٹ ہے جو نبی ﷺ سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ یا کسی بھی نبی سے ایسا دعویٰ قطعاً ناقابلِ تصور ہے کیونکہ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ....

﴿آل عمران: ۷۹﴾

''لائق نہیں کسی انسان کے لیے جسے دی ہو اللہ نے کتاب وحکمت اور نبوت،

پھر وہ کہے لوگوں سے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ!"

نیز دیگر دو مقامات پر نبی ﷺ کی زبانی اعلان کروایا گیا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴿الکهف: ۱۱۰، حٰم السجدہ: ۶﴾

"(اے نبی ﷺ آپ) اعلان کر دیجیے کہ میں تمھاری طرح ایک انسان ہی ہوں"

اس کے علاوہ سورۃ الانعام میں فرمایا:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ﴿الانعام: ۵۰﴾

"(اے نبی ﷺ) کہدو کہ میں یہ نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ ہی میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں......"۔

نبی ﷺ ہی کے ذریعے سے اللہ کا یہ پیغام ہم تک پہنچا ہے کہ:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿الرحمٰن: ۱۴﴾

"اس (اللہ) نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجنے والی مٹی سے بنایا"۔ (نور سے نہیں)

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی یہ صحیح حدیث بھی ہم تک پہنچی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُلِقَتِ الْمَلٰئِكَةُ مِنْ نُوْرٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَخُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ......

(صحیح مسلم کتاب الزهد باب فی احادیث متفرقة)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "فرشتے نور سے بنائے گئے اور جن آگ کی لپٹ سے اور آدم علیہ السلام اُس چیز سے، جو تم سے بیان کر دی گئی ہے۔ (مٹی سے)"۔

بتائیے قرآن پاک کی محکم آیات اور صحیح روایت کے مقابلے میں مذکورہ جھوٹی روایت کی کیا حیثیت ہے۔ پھر کہتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا:

اوّل ما خلق الله نوری

"سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا"

یہ بھی نبی ﷺ پر بہتان ہے اور یہ پچھلے بہتان کی تردید کرتا ہے کیوں کہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ اللہ کے نبی اللہ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں تو پھر "اوّل ما خلق الله نوری" باطل ٹھہرا اور اگر دوسری بات مستند ہے تو پہلی باطل ٹھہرتی ہے۔ سچ ہے کہ "جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے"۔ اس بہتان کے مقابلے میں ایک صحیح حدیث ملاحظہ فرمائیے:

قَالَ عُبَادَةُ ابْنُ صَامِتٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَلَمٌ فَقَالَ لَهٗ اُكْتُبْ فَقَالَ رَبِّيْ وَمَاذَا اَكْتُبُ قَالَ اُكْتُبْ مَقَادِيْرَ كُلَّ شَيْءٍ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ.

(سنن ابی داؤد کتاب السنة باب في القدر)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ قلم ہے۔ پھر اُس کو حکم دیا کہ لکھ۔ قلم نے کہا اے میرے ربّ کیا لکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر شے کا مقدر لکھ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔"

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسی مضمون کی ایک حدیث جامع ترمذی کتاب التفسیر سورۃ نٓ والقلم میں بھی منقول ہے۔ اِن صحیح احادیث کے مقابلے میں مذکورہ جھوٹی روایت کی کیا حقیقت ہے۔ اور سب سے بڑھ کر خالق کائنات کا یہ ارشاد: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿البقرة: ۲۹﴾

"(اللہ) وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو زمین میں ہے سب کچھ (عالمِ اسباب) پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی، اور سات آسمان استوار کر دئے، اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے"۔

پھر کہتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا:

لولاک لما خلقت الافلاک

"(اللہ فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ) اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک پیدا نہ کرتا"

اس روایت کی عربی ہی اس بات کی چغلی کھا رہی کہ یہ حدیثِ قدسی ہرگز نہیں بلکہ کسی شاعر کی کارستانی ہے۔ جس نے اپنے عقیدے کے اظہار کے لیے شروع اور آخر میں ہم قافیہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہ مصرع جس کی بنیاد پر نبی ﷺ کو باعثِ تخلیق کائنات کہا جاتا ہے، نصِ قرآنی کے سراسر خلاف ہے۔ سورۃ الذّٰریٰت میں اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی تخلیق کا سبب بتلایا کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿الذّٰریٰت: ۵۶﴾

"اور میں نے جن وانس کو صرف اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے" (نبی ﷺ کے لیے نہیں)

بے شمار آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا اور کائنات کی تخلیق کا مقصد انسان کی آزمائش ہے۔

دراصل اس قسم کی جھوٹی روایتیں جو کہ عصرِ حاضر کے اَئِمَّةُ الْمُضِلِّيْن برسرِ منبر چہک چہک کر بیان کرتے ہیں اور ان روایتوں کی بنیاد پر اللہ کے آخری رسول ﷺ کو اللہ کی ذات وصفات اور اس کے حقوق واختیارات میں شریک بتاتے ہیں، یہ سب کچھ وضّاعینِ حدیث کی کاریگری کا شاخسانہ ہے۔ جن جھوٹی روایتوں کو یہ وضّاعین خود اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر نبی ﷺ کے ساتھ منسوب کرتے رہے، ان کا اصل مأخذ انجیل ہے۔ جیسا کہ یوحنا کی انجیل کے درج ذیل اقتباس سے ثابت ہے، جس میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے:

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا ○ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا ○ سب چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے، اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی ○ اس میں زندگی آدمیوں کا نور تھی ○ اور نور تاریکی میں چمکتا ہے اور تاریکی نے اسے قبول نہ کیا ○ ایک آدمی یوحنا نام کا آموجود ہوا جو خدا کی طرف سے بھیجا گیا تھا ○ یہ گواہی کے لیے آیا کہ نور کی (عیسیٰ کی) گواہی دے تا کہ سب اس کے وسیلے سے ایمان لائیں ○ وہ خود (یوحنا) تو نور نہ تھا مگر نور کی گواہی دینے کو آیا تھا ○ حقیقی نور جو ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہے دنیا میں تھا اور دنیا اس کے

وسیلے سے پیدا ہوئی اور دنیا نے اسے نہ پہچانا○ وہ اپنے گھر آیا اور اس کے اپنوں نے اسے قبول نہ کیا○......"۔ [1]

اب غور کیجیے! اہلِ کلیسا بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ انجیل نہیں ہے جو عیسیٰ ابن مریم پر نازل ہوئی تھی بلکہ یہ اُن اناجیلِ اربعہ میں سے ایک ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لکھی گئیں۔

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ اور اسی طرح کی دوسری من گھڑت باتیں قطعاً اللہ کا کلام نہیں بلکہ کسی پادری کی کارستانی ہیں۔ اور اس پادری نے اپنی تخلیقی صلاحیت اور غلوئے عقیدت کی بناء پر اللہ کے بندے اور اس کے رسول عیسیٰ علیہ السلام کو کیا سے کیا بنا دیا۔ زیرِ نظر تینوں روایات کے سوتے اسی انجیل کے بطن سے پھوٹتے ہیں۔ وضاعینِ حدیث محرّف شدہ انجیل کی تعلیمات کو روایات کے سانچوں میں ڈھال ڈھال کر اُمّت کے اندر پھیلاتے رہے۔ اور اُمتِ مسلمہ کا "غلو پسند طبقہ" ان جھوٹی روایات کی بنیاد پر عقائد کی عمارت تعمیر کرتا رہا اور اس طرح دنیا میں قرآن اور صحیح احادیث پر مشتمل دینِ خالص کی پہچان مٹتی چلی گئی، نیز اسلام کے نام لیواؤں کو اصل اسلام کے مخصوص عقائد ونظریات کی بنا پر اقوامِ عالم میں جو امتیازی حیثیت حاصل تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔

بعض لوگ اظہارِ تأسّف کے طور پر کہتے ہیں کہ آج کل کے مسلمان بس نام کے مسلمان ہیں۔ ان کی شکلیں ان کا لباس اور ان کا رہن سہن یہود ونصاریٰ کے مشابہ ہوگیا ہے...... جی ہاں، سچ تو یہ ہے کہ ان نام نہاد مسلمانوں کی شکل وصورت اور تہذیب وثقافت ہی یہود ونصاریٰ کے مشابہ نہیں ہوئی بلکہ ان کا دین وایمان بھی انہی کے مشابہ ہوگیا ہے۔ جیسے کہ اہل کلیسا "یا عیسیٰ" کی پکار لگاتے ہیں اور یہ "یا محمد" کی صدا بلند کرتے ہیں۔ وہ صلیب کی پرستش کرتے ہیں اور یہ گنبدِ خضرا کی۔ وہ کرسمس کا تہوار مناتے ہیں اور یہ میلاد کا جشن مناتے ہیں۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو نور کا مانتے ہیں اور یہ محمد ﷺ کو نور کا مانتے ہیں۔ پھر بتائیے کہ آج کے مسلمانوں اور مسیحیوں میں سوائے نام کے اور کیا فرق ہے؟ شرک کی یہی خصوصیت ہے کہ یہ "بلا" کبھی بھی مجرد حالت میں نازل نہیں ہوتی بلکہ جب بھی کسی قوم پر نازل ہوتی ہے تو بدعات کا طوفان بھی ساتھ لاتی ہے۔ بالکل یہی معاملہ آخری نبی ﷺ کی اُمت کے ساتھ ہوا کہ عقیدے میں بگاڑ آیا تو قول وفعل بھی یہود ونصاریٰ کے مشابہ ہوگئے۔ یہ تو ہونا ہی تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے بارے میں پیشین گوئی فرما دی تھی۔

بخاری کی روایت ہے:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَ ذِرَاعاً بِذِرَاعٍ حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللهِ اَلْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی . قَالَ فَمَنْ .

(بخاری: کتاب الاعتصام، بالکتب والسنۃ باب قول النبی لتتبعن سنن من کان قبلکم)

ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں،

"آپ ﷺ نے فرمایا تم بھی ضرور اگلے لوگوں کے طریقے پر چلو گے، بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ضرور گھس جاؤ گے ہم نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ اگلے لوگوں سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اور کون"۔

۲ طاغوت پرستی :

شرک وبدعت کے طوفان کا "طاغوت پرستی" بھی ایک اہم سبب ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے......

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۬ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿البقرہ: ۲۵۷﴾

"اللہ دوست ہے ایمان والوں کا جو انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی جانب لے آتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست طاغوت ہیں۔ وہ طاغوت انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے"۔

طاغوت کے لغوی معنی ہوتے ہیں۔ سرکش، نافرمان، شرارت کا سرغنہ، حد سے تجاوز کرنے والا اور ہر باطل معبود۔ ان میں سب سے بڑھ کر اللہ کا نافرمان اور باغی "شیطان" سب سے بڑا طاغوت ہے۔ گزشتہ سطور میں اجمالاً یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ جن وانس کی تخلیق کی غرض وغایت اللہ کی عبادت ہے۔ اس مقصد کی تکمیل اسی صورت میں ممکن تھی کہ انسان کی بود وباش کے لیے اس کی فطرت کے عین مطابق ایک سازگار ماحول ہوتا اور اس ماحول کے اندر اس کی جملہ ضروریات اور لوازماتِ زندگی کا خاطر خواہ انتظام کر دیا جاتا۔ چنانچہ یہ سارا انتظام انسان کو دنیا میں لانے سے پہلے ہی کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے رہنے کے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر زمین پر اس کے رزق کا انتظام کیا۔ کام کاج کے لیے "دن" اور آرام کے لیے "رات" بنائی۔ سورج، چاند، ستارے، دریا اور پہاڑ اس کے لیے مسخر کیے۔ زمین کے اندر معدنیات کی صورت میں بے شمار خزانے چھپائے تاکہ انسان حسبِ ضرورت زمین کا پیٹ چاک کر کے یہ خزانے نکالتا رہے اور ان سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لیے مویشی اور ہر قسم کے جانور بھی پیدا کیے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتیں انسان پر نچھاور کر دیں۔

لیکن یہ ساری نعمتیں تو انسان کے زندہ رہنے اور اس کے جسمانی تقاضے پورے کرنے کے لیے پیدا کی گئیں۔ جبکہ انسان کے مقصدِ تخلیق کے لحاظ سے ایک اہم ضرورت اور بھی تھی کہ کوئی ہادی اور رہنما بھی ہو جو اسے سیدھا راستہ دکھائے اور یہ بتائے کہ اس کا ربّ کون ہے؟ اُسے کس کی بندگی کرنی ہے اور کس طرح کرنی ہے؟ چنانچہ انسان کی اس ضرورت کے پیشِ نظر

[1] یوحنا کی انجیل باب: ۱، آیات ۱ تا ۱۱ صفحہ ۸۱، نیا عہد نامہ: کتاب مقدس شائع کردہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور

۸

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا طویل سلسلہ جاری فرمادیا۔ ہر دور میں اور ہر قوم کی طرف انسان کی رہنمائی کے لیے کوئی نہ کوئی نبی مبعوث فرمایا۔ اور جو نبی بھی اللہ کی جانب سے آیا اس نے اپنی قوم کو اِلٰـہِ وَاحِدُ کی بندگی کی طرف بلایا اور طاغوت کی بندگی سے منع کیا جیسا کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے ثابت ہے:

وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ ۚ ﴿النحل:۳۶﴾

''اور تحقیق ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے اجتناب کرو''۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ انسان کی اس بدنصیبی کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ ہر دور میں لوگوں کی انتہائی قلیل تعداد نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر لبیک کہا جبکہ ''اکثریت'' وقت کے طواغیت ہی کی پرستش پر کمر بستہ رہی اور اُنہی کا ساتھ نبھاتی رہی۔

انسان کی بے حسی اور کج فہمی کا یہ حال ہے کہ اس نے اپنے ہی جیسے گوشت پوست سے بنے انسان کے قدم چومے ہیں اور چشم فلک نے بارہا یہ شرمناک اور حیا سوز تماشا بھی دیکھا ہے کہ ایک مغرور و متکبر انسان گردن اکڑائے گال پُھلا کر مسند پر بیٹھا ہے اور اس کے آگے اسی جیسے سینکڑوں انسان اپنی پیشانیاں زمین پر ٹیکے ہوئے ہیں، طاغوت پرستی کا انجام یہی ہوتا ہے۔ یہ اَنَـا جس فرد اور قوم کے خون میں سرائیت کر جائے اس کا ضمیر مر جاتا ہے، اسکے اندر سے غیرت کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر نہ تو اسے اپنی عزت کا خیال رہتا ہے اور نہ اپنے خالقِ حقیقی کے وقار کی پرواہ۔ پھر وہ اپنے خالق و مالک و رازق کے سامنے تو جھکنے میں شرم و عار محسوس کرتا ہے جبکہ طاغوت کے آگے سجدہ ریزی کو اپنے لیے باعثِ افتخار جانتا ہے۔ چنانچہ وقت کے طاغوت انسان کی اس ذہنی اُپچ اور فکری تنزلی سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسے ضلالت و گمراہی کے اندھیروں میں کشاں کشاں لیے پھرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ ﴿البقرہ۲۵۷﴾

اس ضمن میں ایک تو نمرود کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ نمرود اُلوہیت کا دعویدار تھا۔ لوگ اسے سجدہ کرتے تھے اللہ کے رسول ابراہیم علیہ السلام نے اسے اِلٰہِ واحد کی بندگی کی دعوت دی تو وہ کج بحثی سے انہیں ہرانے کی کوشش کرنے لگا قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مابین ہونے والے مباحثے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰہٖمَ فِیۡ رَبِّہٖۤ اَنۡ اٰتٰىہُ اللّٰہُ الۡمُلۡکَ ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ رَبِّیَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحۡیٖ وَ اُمِیۡتُ ؕ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِہَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُہِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿البقرہ:۲۵۸﴾

''کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے ربّ کے بارے میں جھگڑا کیا اس لیے کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا میرا ربّ تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے کہنے لگا، میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا میرا ربّ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تو اُسے مغرب سے طلوع کر کے دکھا! بس وہ کافر حیران و ششدر رہ گیا۔ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

مفسرین تو یہاں تک لکھ گئے کہ نمرود نے اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کہ (میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں) یہ تدبیر کی کہ ایک قیدی کو جسے سزائے موت کا حکم سنایا جاچکا تھا چھوڑ دیا اور ایک بے گناہ کو قتل کر دیا لیکن اس حیلہ سازی سے وہ خود کو ربّ نہیں ثابت کرسکا۔

لیکن برِصغیر کے مشہور صوفی شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب ''اَنفاس العارفین'' میں ایک واقعہ نقل کر کے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک انسان نے سچ مچ دوسرے انسان کی روح قبض کر کے اسے دوبارہ زندگی بھی عطا کی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ''رحمت اللہ موچی نے بیان کیا کہ ایک موقع پر حضرت شیخ (شاہ ولی اللہ کے تایا ابوالرضا صاحب) مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں ان کے سامنے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص نے کہا کہ حضرت بایزید بسطامی بعض اوقات کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے تو قوتِ جذب اور شیخ کی گرمی نگاہ سے اس کی روح پرواز کر جاتی تھی۔ آج کل ہم مشائخ کا بہت شور سنتے ہیں مگر کسی کی قوتِ باطنی میں یہ تاثیر نہیں دیکھی۔ یہ سن کر حضرت شیخ نے جوش میں فرمایا کہ بایزید روحیں نکال تو لیتے تھے مگر جسم میں واپس نہیں لوٹا سکتے تھے۔ مگر رسول ﷺ نے میرے دل کو اپنے قلبِ اطہر کے زیرِ سایہ ایسی تربیت دی ہے اور ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ جب چاہوں کسی کی روح کھینچ لوں اور جب چاہوں اسے واپس لوٹا دوں۔ عین اسی وقت شیخ نے مجھ پر نظر کر کے میری روح کھینچ لی اور میں زمین پر گر کر مر گیا۔ اور مجھے اس عالم کا کوئی ہوش نہیں رہا [1] سوائے اس کے کہ میں نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے دریا میں غرق پایا۔ آپ نے سائل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اسے دیکھو مردہ ہے یا زندہ۔ اس نے سوچ کر کہا مردہ ہے فرمایا اگر تو چاہے تو اسے مردہ چھوڑ دوں اور اگر پسند کرے تو زندہ کر دوں۔ کہنے لگا اگر زندہ ہو جائے تو انتہائی رحمت ہوگی۔ آپ نے مجھ پر دوبارہ نظر ڈالی تو میں زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ تمام حاضرینِ مجلس حضرت شیخ کی قوتِ حال سے مستعجب ہوئے'' [2]

طاغوت پرستی کی اس سے بہترین مثال اور کیا ہوگی کہ نمرود کہے کہ

---

[1] آگے بیان کردہ واقعات کسی ذریعے سے ان تک پہنچے کیوں کہ انہیں تو ہوش نہ رہا اور اپنے آپ کو ایک بڑے دریا میں غرق پایا۔

[2] اَنفاس العارفین اردو صفحہ 206,207 شائع کردہ ادارۃ المعارف لاہور، بحوالہ ایمان خالص صفحہ 26,27 از ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمہ اللہ

" اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ " (میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں) تو اسے اس دعوے کی بنیاد پر کافر ومشرک کہا جائے اور اگر بالکل یہی دعویٰ اس اُمت کا ایک صوفی کرے اور دعویٰ ہی نہیں بلکہ اپنے ہی چیلے کی زبانی اپنے دعوے کو عملی جامہ بھی پہنادے تو اولیاء اللہ کے گروہ میں اُس کی شمولیت کو یقینی مانا جائے۔

اسی طرح طاغوت پرستی کی آبیاری کرنیوالوں نے حکایات وواقعات کی بے شمار کتابیں لکھ کر کلمہ پڑھنے والوں کے ایمان میں شرک وبدعت کی آمیزش کی ہے۔ قرآن کریم میں ایک اور طاغوت کا کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس طاغوت کا نام فرعون تھا۔ یہ مصر کا بادشاہ تھا۔ یہ بھی اُلوہیت کا دعویدار تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ: فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿النّازعات: 24﴾

''پس فرعون نے کہا میں تمہارا سب سے بڑا ربّ ہوں''۔

اللہ نے فرعون کی ہدایت اور بنی اسرائیل کو اس کے ظلم سے نجات دلانے کیلئے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو مبعوث فرمایا لیکن فرعون نے تادمِ آخر ایمان قبول نہیں کیا۔ انجام کار اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے لشکروں سمیت بحیرۂ قلزم میں غرق کر دیا۔ آج فرعون کو سب لوگ اس کے اسی دعوے کی بنیاد پر کافر وطاغوت وغیرہ کے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی دعویٰ اس اُمت کے ایک صوفی نے بھی کیا۔ جیسا کہ یہی دعویٰ منصور بن حلاج کی خود اپنی زبانی ''الطّواسین'' نامی کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

"وقلت انا ان لم تعرفوه فاعرفوا آثاره وانا ذلك الاثر وانا الحق لانی مازلت ابدًا بالحق حق فصاحبی واستاذی ابلیس وفرعون، ابلیس هدد بالنار وما رجع عن دعواه، وفرعون اغرق فی الیم وما رجع عن دعواه ولم یقر بالواسطة البتة، وان قتلت اوصلبت او قطعت یدای ورجلای ما رجعت عن دعوی" [1]

''اور میں کہتا ہوں اگر تم نے اس (اللہ) کو نہیں پہچانا تو اس کی نشانی کو پہچان لو۔ اور وہ نشانی میں ہوں۔ اور میں اللہ ہوں۔ کیونکہ میں ہمیشہ اللہ کے ساتھ رہا ہوں۔ پس میرے دوست اور استاد ابلیس اور فرعون ہیں۔ شیطان کو آگ میں ڈالا گیا لیکن وہ اپنے دعوے سے نہیں پھرا۔ اور فرعون کو دریا میں غرق کیا گیا وہ بھی اپنے دعوے سے نہیں پھرا اور اس نے کسی بھی واسطے سے اپنی غلطی کا اقرار نہیں کیا۔ اور اگر مجھے قتل کر دیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے یا میرے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں تب بھی میں اپنے دعوے سے نہیں پھروں گا''۔

فرعون نے کہا " اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى " اور حسین بن منصور حلاّج نے کہا '' اَنَا الْحَقُّ '' ان جملوں میں معمولی سا لفظی فرق ضرور ہے لیکن مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ دونوں جگہ جلی حروف میں اُلوہیت کا دعویٰ موجود ہے۔ مستزاد یہ کہ فرعون آخری وقت میں ایمان لانا چاہتا تھا مگر غیب شہود ہونے پر اس کا ایمان قبول نہ کیا گیا اور وہ کافر ہی مرا جب کہ حسین بن منصور حلاّج انتہائی دلیری، بے باکی اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو شیطان اور

[1] طواسین (عربی) صفحہ نمبر 51 شائع کردہ تصوف فاؤنڈیشن 249 این، سمن آباد لاہور۔

فرعون کا دوست اور شاگرد بتا رہا ہے۔ لیکن دین کی ناقدری اور طاغوت پرستی کی انتہا ملاحظہ فرمایئے کہ پھر بھی صوفیاء اور صوفیاء کے ماننے والے اس زندیق کو اللہ کا ولی (دوست) تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ علی ہجویری صاحب کی کتاب کشف المحجوب کے اس اقتباس سے ثابت ہے۔ لکھتے ہیں..........

تمام مشائخ کرام میں سے سوائے معدودے چند لوگوں کے آپ (حلاّج) کے کمالِ فضیلت حال کی صفائی اور کثرت اجتہاد وریاضت کا کوئی منکر نہیں۔ اس کتاب میں ان کا ذکر نہ کرنا دیانت کے خلاف ہوتا۔ کیونکہ بعض اہل ظاہر ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور ان کی بزرگی اور ولایت کا انکار کرتے ہیں...... [2]

اب ایک اور طاغوت کا حال سنیے۔ اس طاغوت کا نام سامری ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ بنی اسرائیل فرعون کے مظالم سے نجات پا کر جب صحرائے سینا میں کوہ طور کے پاس خیمہ زن ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتوں کے لیے طور پر طلب کر لیا۔ ان کے طور پر جانے کے بعد بنی اسرائیل نے اپنے زیورات جو انہوں نے مصر سے کوچ کرتے وقت آلِ فرعون سے عاریتاً حاصل کیے تھے، ایک جگہ جمع کیے۔ سامری نے ان زیورات کو پگھلا کر بچھڑے کا ایک جسد تیار کیا جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔ بچھڑے کی آواز سنتے ہی بنی اسرائیل کا ایمان متزلزل ہو گیا اور کہنے لگے:

...... هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ﴿طٰه:۸۸﴾

یہی تمہارا اِلٰہ ہے اور موسیٰ کا اِلٰہ بھی یہی ہے پس وہ بھول گیا ہے۔

پھر کیا تھا، بنی اسرائیل اُس مہربان ربّ کو کہ جس نے فرعون جیسے ظالم دشمن سے انہیں نجات دی، بے آب وگیاہ بیابان میں جہاں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی ان پر من وسلویٰ نازل کیا، ان کے پینے کے لیے لق ودق صحراء میں ایک چٹان سے پانی کے بارہ چشمے جاری کیے اور انہیں چلچلاتی دھوپ سے بچانے کے لیے بادل کو ان پر سائبان کیا...... یہ سب کچھ فراموش کر کے سونے چاندی علیہ السلام بنائے ہوئے بچھڑے کی پرستش پر کمربستہ ہو گئے۔ اللہ شاہد ہے کہ انبیاء کی اُمتوں کو اسی نوع کے سامری صفت لوگ صراطِ مستقیم سے برگشتہ کرتے ہیں۔ اس قسم کے طاغوت ہر اُمت کے اندر مختلف ناموں سے موجود رہتے ہیں اور لوگوں کی اکثریت اپنے دور کے طواغیت ہی کی اطاعت وپیروی پر مصر رہتی ہے۔

یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ اس اُمت کے ''اولین'' خالص اللہ کی بندگی کرتے تھے (عہد رسالت اور عہد صحابہ میں مملکت اسلامیہ کی حدود کے اندر کہیں بھی کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہو)۔ لیکن آخر کار اس اُمت کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو پہلی اُمتوں کے ساتھ ہوتا

[2] بیان المطلوب، صفحہ 237 ترجمہ اردو، کشف المحجوب، مصنف علی ہجویری مترجم مولوی فیروز الدین شائع کردہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، راولپنڈی، پشاور، حیدر آباد، کراچی

رہا ہے۔ ہوا یہ کہ فقہ کے مشہور امام احمد بن حنبل نے چند روایات سے غلط استدال کرتے ہوئے اعادۂ روح، حیات فی القبر اور سماع موتی جیسے خرافاتی عقائد کی بنیاد فراہم کی۔ پھر تکرار کا یہ انداز کہ نبی ﷺ کے منع کرنے کے باوجود کچی قبروں کو پختہ کر کے انہیں ''مزاروں'' کی شکل دے دی گئی، اور یوں ایک اللہ کی بندگی کرنے والوں کو مُردوں کی پُوجا پاٹ پر لگا دیا گیا۔ آج بھی اللہ کی آخری کتاب بالکل اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اور نبی ﷺ کی سنت بھی اپنی جگہ ثابت ہے۔ لیکن طاغوت پرستی کے نشے میں مست اُمت کی اکثریت قرآن وسنت کی طرف متوجہ ہونے کے لیے تیار نہیں ہے۔

۳ آباء پرستی :

انسان کی یہ جبلت ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے طور طریقے اپناتا ہے یہی نہیں بلکہ ماں باپ جس دین پر ہوں اولاد بھی عام طور پر اسی دین پر ہوتی ہے (الا ماشاء اللہ) اس بات میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ ساری کی ساری اولادِ آدم نے ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' (کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں) کے جواب میں ''بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ'' (کیوں نہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا ربّ ہے) کہا تھا اور بلاشبہ ہر انسان یہی متاعِ ایمان لے کر بطنِ مادر سے جنم لیتا ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ بچے کے بھولپن اور اس کی ذہنی ناپختگی سے فائدہ اٹھا کر اس سے یہ متاعِ بے بہا لوٹ لی جاتی ہے اور دِلچسپ بات تو یہ ہے کہ لوٹنے والے اس کے اپنے ماں باپ ہی ہوتے ہیں، کیونکہ ماں باپ ہی اس کی پرورش کرتے ہیں۔ چنانچہ ماں باپ بچے کی خوراک ولباس کا ہی انتظام نہیں کرتے بلکہ اسے بولنا بھی سکھاتے ہیں۔ اسے چیزوں کے نام بتاتے ہیں الفاظ کی ادائیگی کا صحیح طریقہ بتاتے ہیں اور ہمہ وقت اس کا لب ولہجہ اور تلفظ درست کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جہاں سے انسان کی دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اب اگر ماں باپ مؤمن ہوں تو بچے کو اللہ کا نام بتاتے ہیں۔ کلمہ سکھاتے ہیں۔ صلوٰۃ کے الفاظ یاد کراتے ہیں۔ قرآن پڑھاتے ہیں وغیرہ اور اگر ماں باپ مشرک ہوں تو بچے کے ذہن میں مشرکانہ باتیں راسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا کہ عقل وشعور کی سرحد پر قدم رکھنے سے پہلے ہی والدین بچے کو اپنے دین پر پختہ کر لیتے ہیں اور بچہ غیر شعوری طور پر اپنے ماں باپ ہی کا دین قبول کر لیتا ہے۔

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے بچے کی اس مظلومی اور بے بسی اور والدین کے ظلم وجور اور زور زبردستی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے:

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ......

(صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب ماقیل فی اولاد المشرکین)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت (دین اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں......

معلوم ہوا کہ آدمی کا ''دین'' صغرسنی میں ہی جبکہ اسے حق وناحق کی تمیز نہیں ہوتی از راہِ ظلم تبدیل کر دیا جاتا ہے اور حالات کا یہ ظلم خواہ مخواہ غیر مؤمن کو سہنا پڑتا ہے کیونکہ انسان عموماً ایسے ہی خلافِ فطرت ماحول کے اندر پل کر سنِ بُلوغ تک پہنچتا ہے۔ انسان کی اولاد کے ساتھ روزِ اوّل سے یہی سلوک روا رکھا گیا ہے۔

لیکن صد شکر کہ وہ ربّ رحیم وکریم وعلیم جس نے انسان کو پیدا کیا اور پیدا بھی خالص اپنی بندگی کے لیے کیا، اس نے انسان کو یونہی حالات کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ دیا کہ جو چاہے اور جدھر چاہے اسے اونٹ کی طرح مہار پکڑ کر لے جائے بلکہ اس ربّ نے اس کی رہنمائی کے لیے اتنا بہترین اور معقول نظام وضع کیا ہے کہ اگر انسان کے اندر ذرا بھی قبول حق کی صلاحیت موجود ہو تو دنیا کی کوئی چیز اسے اس کے مقصدِ تخلیق تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی۔

انسان کی ہدایت اور رہنمائی کا نظام اس طرح کیا گیا کہ خالق کائنات نے ہر زمانے میں اور ہر قوم کی طرف رسول بھیجے۔ جو بھی رسول کسی قوم کی طرف بھیجا گیا وہ اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا اور اسی قوم کی زبان میں بات کرتا تھا تاکہ اللہ کے رسول کی بات سمجھنے میں کسی کو مشکل درپیش نہ آئے۔ ایک بات جو سب سے پہلے اللہ کے ہر رسول نے اپنی قوم کے سامنے پیش کی ہے اور جس کو اپنی دعوت کا محور بنایا ہے قرآن میں یہ الفاظ بڑے بلیغ انداز میں وارد ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے:

......يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ...... ﴿ہود: ۵۰، ۶۱، ۸۴﴾

''اے قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے''۔

اب ذرا قرآن کے حوالے سے یہ بھی سنیئے کہ اس دعوت وپکار کے جواب میں لوگ کیا کہتے ہیں۔ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴿الزخرف: ۲۳، ۲۴﴾

''اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جس بستی میں جو کوئی ڈرانے والا (نبی) بھیجا تو اس بستی کے خوشحال اور مالدار لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا ہے اور ہم تو اُنہی کی پیروی کریں گے۔ وقت کے نبی نے کہا اگر میں اس سے اچھا دین تمہیں بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا (تو کیا پھر بھی قبول نہیں کرو گے) انہوں نے کہا جو دین تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اسے نہیں قبول کرتے''۔

اِسے کہتے ہیں آباء پرستی۔ اللہ کے رُسل آئے اور قوموں کو یہ بات سمجھا سمجھا کر عاجز آ گئے کہ اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ لیکن جو ''جھوٹے الٰہ'' انہیں آباء واجداد سے ورثے میں ملے تھے انہیں توڑنے

اور جن بدعات ورسومات میں انہوں نے اپنے والدین کو ملوّث پایا تھا انہیں چھوڑنے اور جس خرافاتی دین کی تعلیم انہیں ماں کی گود میں ملی تھی اس سے منہ موڑنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے، کتنی قومیں اس آبا پرستی کے جرم کی پاداش میں عذاب الٰہی کا نشانہ بنی ہیں اور کچھ اس انداز سے صفحۂ ہستی سے مٹیں کہ آج دنیا میں کہیں بھی ان کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔ البتہ کہیں کہیں تباہ شدہ بستیوں کے کچھ کھنڈرات اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کی عبرت کے لیے بچا رکھے ہیں۔ اور اب دورِ جدید کے لوگ تفریحی مقامات کی مانند ان کھنڈرات کی بھی سیر کرتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے برگزیدہ نبی ابراہیم علیہ السلام کی جرأتمندانہ دعوت اور ان کی مخصوص طرزِ تبلیغ کا تذکرہ متعدد مقامات پر بہت نمایاں کرکے پیش کیا ہے۔ زیرِ بحث موضوع کی مناسبت سے چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۞ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۞ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ ﴿الانبیآء: ۵۱ تا ۵۴﴾

”اور تحقیق ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے آشنا تھے ○ جب انہوں نے اپنے باپ (آذر) اور قوم کے لوگوں سے کہا یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم معتکف ہو؟ وہ کہنے لگے ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے ○ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں پڑے رہے ○“۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۞ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۞ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۞ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۞ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۞ ﴿الشعراء: ۶۹ تا ۷۴﴾

”اور ان کو ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پڑھ کر سنا دیجیے ○ جب انہوں نے اپنے باپ اور قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو ○ انہوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور اُنہی کی عبادت کے لیے معتکف رہتے ہیں ○ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا، کیا یہ سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو ○ یا تمہیں فائدہ دے سکتے ہیں یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ○ انہوں نے جواب دیا کہ بس ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے ○“

غور کیجیے! قومِ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جھوٹے الٰہوں کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ سنتے ہیں۔ بلکہ بت پرستی کی صورت میں جاری شرک وبدعت کے جواز میں صرف اتنا کہا، ”کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے“ واہ کیا دلیل ہے!

اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ بھی جب مشرکین عرب کو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے تھے اور قرآن کی زبان میں ان کو سمجھاتے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ﴿الاعراف: ۱۹۴﴾

”بے شک تم لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے تھے“۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ﴿النحل: ۲۱﴾

”مرچکے ہیں زندہ نہیں ہیں“۔

مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۞ ﴿فاطر: ۱۳﴾

”وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے جتنی بھی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں“۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ﴿فاطر: ۱۴﴾

”اگر تم ان کو پکارو تو یہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے“ وغیرہ وغیرہ۔

تو ان قرآنی آیات کے جواب میں مشرکین عرب بھی نبی ﷺ کو وہی جواب دیتے تھے جو قومِ ابراہیم علیہ السلام نے اور اس سے پہلے ہر مشرک قوم نے انبیاء علیہم السلام کو دیا تھا۔

ذیل میں اس مضمون کی چند آیات ملاحظہ فرمایے:

اللہ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۞ ﴿البقرہ: ۱۷۰﴾

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس (کتاب) کی جو اللہ نے اتاری ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی (دین) کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا بھلا ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ صحیح رستے پر ہوں (پھر بھی!)۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۞ ﴿المائدہ: ۱۰۴﴾

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور اس رسول (محمد ﷺ) کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا بھلا ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں (تب بھی!)“۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۞

﴿لقمٰن: ۲۱﴾

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس کی جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں بلکہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اگر شیطان انہیں جہنم کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو“۔ (تو پھر بھی اس کی پیروی کریں گے)

سبحان اللہ! کیسا گھڑا گھڑایا جواب ہے ہر مشرک قوم کے پاس اور کس قدر یکسانیت ہے ان کے خیالات، نظریات اور معتقدات کے درمیان۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر جانے والا اپنے بعد آنے والے کو اسی بات کی وصیت کر کے اس دارِ فانی سے رخصت ہوا ہے کہ اپنے باپ دادا کے دین کو نہ چھوڑنا اور ہر حال میں اسی کے ساتھ چمٹے رہنا۔ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ.

آج یہ اُمت بھی سابقہ اُمتوں کی طرح سر تا سر آباء پرستی کی دلدل میں دھنسی ہوئی ہے۔ جب کلمہ پڑھنے والوں سے گزارش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر آپ کا نام ''مسلم'' تجویز کیا ہے۔ آپ کیوں اپنے آپکو شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث وغیرہ فرقوں سے منسوب کرتے ہیں۔ تو جواب ملتا ہے کیا کیجیے ہمارے باپ دادا کا تعلق اِس جماعت سے تھا...... یا اُس جماعت سے تھا۔

پھر جب کہا جاتا ہے کہ آپ جس شخص کو پیرِ طریقت، رہبر شریعت اور سر چشمۂ ہدایت وغیرہ کے القابات سے یاد فرماتے ہیں۔ اور اس کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ وہ شخص تو حلول، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود جیسے کفریہ نظریات کا قائل ہے۔ تو جواب ملتا ہے کہ بس مجبوری ہے کیونکہ ہمارے بزرگ ان کے بزرگوں کے دامن گرفتہ تھے۔ غرضیکہ انسان بدل گئے ہیں لیکن انسانی رویوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

آج لوگ سنت، سنت کی رٹ لگاتے ہیں اور چند ظواہر کو اپنانے کے بعد اپنی جگہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہم نے اطاعتِ رسول کا حق ادا کر دیا۔ لیکن بے چاروں کو یہ خبر نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ کے دین کی خاطر اپنی ماں کا دین چھوڑا ہے، باپ کا دین چھوڑا ہے، چچا (ابو طالب) کا دین چھوڑا ہے، دادا (عبد المطلب) کا دین چھوڑا ہے (بحوالہ بخاری و مسلم)۔

نبی ﷺ کی یہ پہلی سنت ہے۔ اور اس سنت پر سب سے پہلے اصحابِ رسول ﷺ نے عمل کر کے دکھایا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے باپ دادا کے دین کو خیر باد کہہ کر ہی اسلام قبول کیا تھا۔ اگر وہ نبی ﷺ کی اس سنت کو درخورِ اعتنا نہ سمجھتے تو اللہ کا دین ہم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس سلسلے میں صحابیٔ رسول سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ ملاحظہ فرمائیے، یہ واقعہ صحیح مسلم میں بیان ہوا ہے۔ روایت ہے کہ (جب سعد بن ابی وقاص حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تو) ان کی ماں نے قسم کھالی کہ جب تک وہ اپنا دین نہیں چھوڑیں گے ان سے کبھی بات نہیں کرے گی اور نہ کھائے گی نہ پیئے گی۔ ماں کہنے لگی (اے سعد) اللہ نے تجھے حکم دیا ہے ماں باپ کی اطاعت کرنے کا۔ میں تیری ماں ہوں۔ تجھے حکم دیتی ہوں (اسلام چھوڑ دے) پھر اس نے تین دن تک کچھ کھایا نہ پیا۔ یہاں تک کہ اس کو غش آگیا۔ آخر اس کے ایک بیٹے نے جس کا نام عمارہ تھا اسے پانی پلایا۔ وہ سعد کے لیے بدعا کرنے لگی تب اللہ نے یہ آیت اتاری۔ ''اور ہم نے انسان کو حکم دیا اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا۔ لیکن وہ اگر تیرے ساتھ اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک کر، جس کا تجھے کچھ علم نہیں تو ان کی بات نہ مان۔ اور دنیا میں ان کے ساتھ معروف طریقے سے گزارہ کر''۔ (لقمن:۱۴)

(صحیح مسلم : کتاب الفضائل ، باب فی فضل سعد بن ابی وقاص)

باپ دادا کا دین چھوڑنا واقعی مشکل ہے لیکن جس کو اللہ تعالیٰ سمجھ دے اس کے لیے مشکل نہیں۔

۴ پیشہ ور علماء کی ہوسِ زر:

وہی ''علماء'' انبیاء کے وارث ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام ہی کی تعلیمات دنیا والوں تک پہنچاتے ہیں۔ جن کی سعی وجہد سے حق کا بول بالا اور باطل کا سرنگوں ہوتا ہے۔ لیکن اگر انبیاء علیہم السلام کے یہ وارث ناخلف و نااہل ہوں اور انبیاء علیہم السلام کی سنّت کو بالائے طاق رکھ کر دین کو پیشہ اور ذریعۂ معاش بنالیں تو دین کی تباہی و بربادی اور رسوائی بھی انہی کے دست و بازو سے عمل میں آتی ہے۔ کیونکہ مال و زر کی ہوس اور پیٹ کا لالچ اُنہیں اپنے اصل مشن سے غافل کر کے دین کے باغیوں، اللہ کے دشمنوں، ابلیس کے دوستوں، اپنے جیسے طاغوتوں اور تمام باطل قوتوں سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ مصلحت اندیشی ان کی زبانوں پر قفل لگا دیتی ہے۔ اور یہ علم کا نور میسر ہونے کے باوجود اندھے، بہرے اور گونگے ہو جاتے ہیں اور اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ کا مصداق بن جاتے ہیں۔ ان کی بستیوں میں غیر اللہ کے نعرے گونجتے ہیں ان کے محلوں میں غیر اللہ کی نذر و نیاز بٹتی ہے۔ ان کی گزرگاہوں میں مزاروں کی پوجا پاٹ ہوتی ہے لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ انہیں احساس نہیں ہوتا...... اور احساس ہو بھی تو کیونکر کہ اسی قسم کے بے دین ماحول کے اندر انہیں رہنا اور انہی باطل پرست عوام کے ٹکڑوں پر اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالنا ہوتا ہے۔ چنانچہ شرک و بدعت کے خلاف آواز بلند کرنا تو دور کی بات، یہ الٹا مشرکین و مبتدعین کے ہمنوا بن جاتے ہیں۔ منصب امامت پر سرفراز ہیں۔ مسند ارشاد پر متمکن ہیں سینکڑوں ہزاروں افراد کو مخاطب کرنے کا اعزاز حاصل ہے لیکن اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ اصل خرابی (عقیدے کی خرابی) کی نشاندہی کریں۔ اور اس کی اصلاح کے لیے لب کشائی کریں۔ اللہ کی مخلوق عقیدے کی خرابی کے سبب جہنم کا ایندھن بنتی ہے تو بنتی رہے ان کی بلا سے۔ ان پیشہ وروں کا مقصد تو اپنے پیٹ کے ایندھن کا بندوبست کرنا ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ معاشرے کے تمام عناصر ان سے خوش ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کسی کا دل دُکھانے کی کوششیں نہیں کرتے۔ ان کے خطبات کا زیادہ تر حصہ فقہی اور فروعی اختلافات کی وضاحت یا عام اخلاقی تعلیمات کے بیان پر مشتمل ہوتا ہے۔ علامہ صاحب تقریر فرماتے ہوئے کبھی سامعین کو ہنساتے ہیں کبھی رُلاتے ہیں لیکن خود اتنے محتاط ہیں کہ قرآن کی ورق گردانی کرتے ہوئے اگر اتفاقاً ان کی نظر کسی ایسی آیت پر پڑ جائے جس کا مضمون عوام کی مزاج کے مخالف اور مروجہ عقائد سے متصادم ہو تو یہ فوراً ورق الٹ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک ایسے ہی دنیا پرست عالم کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے ارشاد ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ ﴿الاعراف: ۱۷۵ : ۱۷۶﴾

اوران لوگوں کواس شخص کا حال پڑھ کرسنا دیجیے جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تھا۔اس نے اس خلعت کواتار پھینکا۔چنانچہ شیطان اس کے پیچھے پڑگیا اور وہ گمراہوں میں شامل ہوگیا ○ اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے سبب اس کے درجات بلند کرتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگا پس اس کی مثال کتے جیسی ہوگئی۔اگر اس پر سختی کرو تو بھی زبان نکالے رہے اور اگر یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔یہی مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ یہ واقعہ انہیں پڑھ کرسنا دیجیے شاید کہ وہ لوگ غور وفکر کریں“۔

کتے کی حرص و ہوس ضرب المثل ہے اس سے بڑھ کر کوئی اور جاندار حریص نہیں ہوتا۔ہر وقت اس کی زبان باہر نکلی رہتی ہے اور اس کے منہ سے رال ٹپکتی رہتی ہے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے یہ غلاظت تک کھا جاتا ہے۔چنانچہ مال وزر کی ہوس میں کتاب اللہ کی تعلیمات کو بھلانے اور متاعِ ایمان لٹانے والے عالمِ کو اللہ تعالیٰ نے کتے سے تشبیہ دی ہے۔انسان کے لیے اس سے بُری مثال اور کیا ہوگی!

اس ضمن میں جامع ترمذی کی ایک روایت ہے:

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ“

(جامع ترمذی: ابواب الزھد)

کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔انہوں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ ان کی اتنی تباہی نہیں کریں جتنی کہ مال وجاہ کی حرص آدمی کا دین خراب کرتی ہے۔

سنن ابی داؤد میں صحابیٔ رسول ﷺ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ایک بہت ہی فکر انگیز خطبہ منقول ہوا ہے۔روایت کا مفہوم کچھ اس طرح ہے ”یزید بن عمیرہ سے روایت ہے جو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے رفقاء میں سے تھے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب وعظ کہنے کے لیے (منبر پر) بیٹھتے تو کہتے ”اللہ بڑا عادل ہے۔شک کرنے والے تباہ ہوگئے“۔ایک روز انہوں نے کہا تمہارے بعد زیادہ فتنے رونما ہوں گے۔مال کی کثرت ہوجائے گی اور قرآن آسان ہوجائے گا، یہاں تک کہ اسے مؤمن اور منافق، مرد اور عورت، بڑے اور چھوٹے، غلام اور آزاد (ہر طرح کے لوگ) سیکھ لیں گے۔پھر قریب ہے کہ ایک کہنے والا کہے کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے جو میری پیروی نہیں کرتے حالانکہ میں قرآن پڑھتا ہوں۔اب وہ میری پیروی نہ کریں گے جب تک میں ان کے لیے کوئی بدعت نہ نکالوں سوائے قرآن کے۔اس سے آگے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اس خطبے کی ”اہم ترین بات“ کہ جس کے ذریعے اُنھوں نے اُمت کو بہت بری گمراہی میں مبتلا ہونے سے خبردار کیا ہے، اسے عربی عبارت کے ساتھ ہی نقل کیا جاتا ہے، بیان کرتے ہیں:

”فَاِيَّاكُمْ وَمَا ابْتُدِعَ فَاِنَّ مَا ابْتُدِعَ ضَلَالَةٌ وَاُحَذِّرُكُمْ زَيْغَةَ الْحَكِيْمِ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ قَدْ يَقُوْلُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ عَلٰى لِسَانِ الْحَكِيْمِ وَقَدْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُ كَلِمَةَ الْحَقِّ“

(سنن ابی داؤد: کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ملخصاً)

”پس تم لوگ بچتے رہو ہر اُس چیز سے جو بطور ”بدعت“ ایجاد کی گئی، تو بے شک وہ چیز کہ جو بطورِ بدعت ایجاد کرلی گئی ہو ”گمراہی“ ہے۔اور میں تم کو خبردار کرتا ہوں کسی دانا شخص کی کجی (پھسلانے والی گمراہی) سے، پس یقیناً شیطان دانا شخص کی زبانی ضرور گمراہی کی بات کہلوا دیتا ہے، اور یقیناً (اکثر) منافق کی زبان سے بھی حق بات ادا ہوجاتی ہے“۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے نصائح سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جس پرفتن دور کے متعلق پیش گوئی فرمائی تھی، آج وہ دور اپنی تمام تر گمراہیوں اور حشر سامانیوں کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔سب لوگ کھلی آنکھوں سے حالات کو دیکھ رہے ہیں۔کون نہیں جانتا کہ فرقہ بندی کے اس دور میں تمام مکاتبِ فکر کے اپنے اپنے الگ مدارس ہیں۔اور ان مختلف النوع مدارس سے ہر سال ہزاروں طلبہ فارغ التحصیل ہو ہو کر باہر آرہے ہیں۔چنانچہ اپنے اپنے فرقے اور اپنے اپنے مسلک کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ اہل جبّہ ودستار، جب اپنی اپنی مسجد سنبھالتے ہیں اور اپنے اپنے منبر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو ایسے طوفان اٹھاتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔مساجد تو صرف اللہ کی بندگی کے لیے مختص ہوتی ہیں۔اس مقام پر تو ربّ کائنات کی صفات اور رہبرِ انسانیت محمد ﷺ کی سیرت وسنت کا ذکر ہونا چاہیے تا کہ اللہ کے گھر میں جمع ہونے والوں کے دل پسیجیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کفر وشرک اور بغاوت کا رویہ ترک کرکے اس کے مطیع ومنیب بندے بننے کی کوشش کریں۔لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان فرقہ پرست اہلِ جُبّہ ودستار کے مواعظ ہدایت کی بجائے الٹا شرک وبدعت کا محرک بنتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ نبی ﷺ مدینے والی قبر کے اندر زندہ ہیں اور عند القبر پڑھا جانے والا درود وسلام خود سنتے ہیں اور دور کہیں پڑھا جانے والا درود وسلام فرشتے آپ ﷺ تک پہنچاتے ہیں۔کوئی کہتا ہے قبر کے اندر آپ ﷺ پر ازواج مطہرات بھی پیش کی جاتی ہیں اور کسی کا کہنا ہے کہ نبی ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔کسی کا کہنا ہے آپ ﷺ پر اُمت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔حالانکہ یہ نام نہاد علمائے دین ونگہبانِ شرع مبین جانتے ہیں کہ

نبی ﷺ کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو موت کا پیغام دے دیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴿الزمر: ۳۰﴾

''بے شک (اے نبی ﷺ) آپ بھی مرنے والے ہیں اور یہ لوگ بھی مرجائیں گے''۔ اور اہل علم یہ بھی جانتے ہیں کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بہت واضح الفاظ میں آپ ﷺ کی موت کا اعلان کر دیا تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

" مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ "

(صحیح بخاری: کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ ووفاته)

''تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی بندگی کرتا تھا تو (وہ سن لے) کہ محمد ﷺ مرگئے ہیں اور جو اللہ کی بندگی کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے وہ نہیں مرے گا''

قرآن وحدیث کے اندر یہ ساری وضاحت موجود ہے لیکن پیشہ ور علماء نے محض اپنے مفادات کے لیے اس پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ عوام کی اکثریت چونکہ حیات النبی (قبر میں نبی ﷺ کی زندگی) کی قائل ہے، اس لیے تمام اہل جبہ و دستار اس موضوع کو کیش کراتے رہتے ہیں، بے شمار خاندانوں کا نان ونفقہ اسی موضوع پر منحصر ہے لیکن یہ بھی سُن لیجیے کہ جو لوگ حق کو چھپاتے ہیں اور حق کو چھپا کر مال کماتے ہیں اللہ کی کتاب ان کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿البقرة: ۱۷۴﴾

''بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ان باتوں کو جو اللہ نے اپنی کتاب کے اندر بیان کی ہیں اور اس سے تھوڑا سا مال کماتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ ان سے بات بھی نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے''۔

قرآن پاک میں اس مضمون کی اور بھی کئی آیات وارد ہوئی ہیں۔ جب ان آیات کی بنیاد پر پیشہ ور علماء کا محاسبہ کیا جاتا ہے اور انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو کمالِ شانِ بے نیازی سے گویا ہوتے ہیں '' کہ اس قسم کی آیات علمائے یہود ونصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی ہیں، ہم پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا''۔

بلاشبہ شانِ نزول کے لحاظ سے ان آیات کے مخاطب علمائے یہود ونصاریٰ ہی ہیں لیکن ان آیات کا باعثِ نزول یہی تو تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تورات وانجیل کے اندر جو آیات بنی اسرائیل کی ہدایت ورہنمائی کے لیے نازل فرمائی تھیں ان آیات کو ان کے ادیبوں اور فریسیوں (رسم پرستوں) نے ذریعہ مُعاش بنالیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے واضح احکامات کو چھپا کر یا ان میں اپنی طرف سے ردّوبدل کر کے وہ لوگوں سے مال کماتے تھے، اور یہ کام بجائے خود مکروہ اور غلط تھا۔ اب وہی کام جو اہل کتاب کے علماء کرتے تھے آج اس امت کے علماء بھی بالکل اسی انداز سے کرنے لگے ہیں تو پھر ان آیتوں کا اطلاق بھی ان پر ضرور ہوگا، کیونکہ قانون کا اطلاق ہمیشہ جرم کی نوعیت پر ہوتا ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ مجرم کون ہے؟

بعض پیشہ ور علماء اپنے اس ناجائز کاروبار کو ثابت کرنے کے لیے یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل کتاب کے علماء اللہ کی آیتوں کو چھپا کر اور اللہ کے احکام میں ردّوبدل کر کے مال کماتے تھے۔ ہم تو قرآن میں تحریف کا ارتکاب نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی آیات کو چھپاتے ہیں بلکہ ہم تو لوگوں کو بتاتے ہیں، قرآن پڑھاتے ہیں اور قرآن بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا بطور معلم، قرآن پڑھانے اور بطور مقرر، قرآن بیان کرنے کے سلسلے میں ہم اپنے وقت کا جو معاوضہ وصول کرتے ہیں، یہ بالکل جائز ہے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ قرآن پڑھانا اور دوسروں کو سکھانا ایک مستحسن کام ہے، لیکن تلامذہ سے یا کسی ادارے ہی سے اس کا معاوضہ وصول کرنا بہرحال کسی بھی طرح جائز اور مستحسن نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی (سنن ابوداؤد: کتاب السنۃ کی) روایت کے مطابق نبی ﷺ نے ہدیے میں کمان لینے کو "طَوْقاً مِّنَ النَّار" قرار دیا تھا، بس اِسی طرح دینی اُمور پر معاوضہ لینا" جُزْءًا مِّنَ النَّار" (جہنم کی آگ کا ٹکڑا) لینے کے مترادف ہوگا۔

جہاں تک قرآن بیان کرنے کی بات ہے تو پچھلی سطور میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ ان پیشہ ور علماء کی تقاریر اور خطبات کا زیادہ تر حصہ فقہی اور فروعی قسم کے اختلافات کی وضاحت یا عام اخلاقی تعلیمات کے بیان پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ کہ قرآن کی ورق گردانی کرتے ہوئے اگر اتفاقاً ان کی نظر کسی ایسی آیت پر پڑ جائے جس کا مضمون عوام کے مزاج کے مخالف اور مروّجہ عقائد سے متصادم ہو تو یہ فوراً ورق الٹ کر آگے بڑھ جاتے ہیں ورنہ اگر واقعۃً قرآن اُسی طرح بیان کیا جا رہا ہوتا جس طرح اسے بیان کرنے کا حق ہے، تو عرصہ دراز سے شرک وبدعات میں آلودہ اِس اُمت مسلمہ کی اکثریت قہرِ الٰہی کا شکار ہو کر متعدد مسلکوں اور فرقوں میں منقسم نہ ہوتی۔ اصل بات یہ ہے کہ دیوبند کے مقام پر دیوبندی مسلک کے مطابق قرآن بیان کیا جاتا ہے، اہلحدیث کے منبر سے مسلک اہلحدیث کے مطابق قرآن کی تشریح کی جاتی ہے، بریلوی واعظ قرآن سامنے رکھ کر بریلوی مکتبۂ فکر کی نمائندگی کرتا ہے اور شیعہ ذاکر اہل تشیع کے خاص موضوعات پر بولتا ہے۔ صاف ظاہر ہے ان مسالک میں سے کوئی بھی قرآن کا حق ادا نہیں کرتا، یہ صرف منہ کی باتیں ہیں۔ یہ سارے کے سارے مسلکی علماء کتمانِ حق کے مرتکب ہیں اور اسی مد میں یہ مال کماتے رہتے ہیں۔

۵ جہالت:

شرک وبدعت کی صورت میں اُمت کے اندر رواج پذیر ہونے والی گمراہی کا سب سے بڑا سبب جہالت یعنی اللہ کے دین سے ناواقفیت ہے۔

اسلام سے پہلے کے زمانے کو زمانۂ جاہلیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، کیونکہ اس زمانے میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ منقطع ہونے کے باعث صفحۂ ہستی سے دین خالص کا نام ونشان تک مٹ چکا تھا۔ آدم کی اولاد اپنے حقیقی ربّ کو فرموش کر چکی تھی۔ اور حال یہ ہو گیا تھا کہ جس کو جو چیز خوبصورت اور خوشنما محسوس ہوتی، اسی کو ''الٰہ'' بنا کر پرستش شروع کر دیتا۔ کوئی سورج کے آگے، کوئی چاند کے آگے اور کوئی کسی تابندہ ستارے کے آگے سر بسجود ہوتا، کوئی اپنے ہاتھ سے آگ کا الاؤ روشن کرتا اور اس کے گرد طواف کر کے مراسمِ بندگی بجالاتا۔ کوئی وفات شدہ بزرگ ہستیوں کو بگڑی بنانے والے سمجھ کر ان کے نام کی دہائی دیتا اور کوئی اپنے ذوق بندگی کی تسکین کے لیے پتھر کی مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا۔ قصہ مختصر یہ کہ پوری کی پوری انسانیت گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بھولی بھٹکی انسانیت پر احسانِ عظیم فرمایا اس کی ہدایت کے لیے اپنا آخری رسول بھیجا اور قرآن جیسی لاریب ولاجواب کتاب نازل کی۔ اس طرح ظلمتوں کا دور ختم ہوا کہ پھر انسان نے اپنے حقیقی ربّ کو پہچانا اور اس کی قدرت، اس کی عظمت اور اس کی حکومت کو تسلیم کیا۔ پھر یہ دور بھی گزر گیا یعنی وہ سچے کھرے اور مخلص ومؤمن بندے جن کی محنت اور جہدِ مسلسل سے نورِ اسلام دنیا میں پھیلا تھا، ایک ایک کر کے سب اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ ان کے بعد ایسے نااہل اور جاہل قسم کے لوگ نبی ﷺ کے دین کے وارث ٹھہرے جنہوں نے اللہ کے پاک وخالص دین کے اندر شرک وبدعت کی آمیزش کر کے ایک دفعہ پھر ایامِ جاہلیت کی یادیں تازہ کر دیں۔ اسلام کے پیرہن میں ملبوس ان دشمنانِ اسلام کے متعلق زبانِ رسالت نے یہ پیشگوئی فرما دی تھی:

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ لَایَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا یَنْتَزِعُہٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰکِنْ یَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰی اِذَالَمْ یَبْقٰی عَالِمٌ اِتَّخَذَالنَّاسُ رُءُ وْسًا جُھَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا.

(صحیح بخاری: کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم)

''عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ اللہ ایسا نہیں کرے گا کہ بندوں سے زبردستی چھین کر علم کو اٹھالے بلکہ علماء (علمائے حق) کو اٹھا کر علم کو اٹھالے گا۔ جب کوئی اصل عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار (امام وپیشوا) بنالیں گے، ان سے سوال پوچھے جائیں گے۔ وہ بے علم جواب دیں گے خود گمراہ ہوں گے (دوسروں کو بھی) گمراہ کریں گے''۔

سنن ابی داؤد میں صحابیٔ رسول ﷺ ثوبان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک طویل حدیث منقول ہوئی ہے۔ اس حدیث کا ایک قطعہ درج ذیل ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ......اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیَ الْاَئِمَّۃَ الْمُضِلِّیْنَ

(سنن ابی داؤد: کتاب الفتن باب ذکر الفتن ودلائلها)

......''ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت میں گمراہ کرنے والے اماموں سے بہت ڈرتا ہوں''۔

پچھلی سطور میں ''پیشہ ور علماء کی ہوسِ زر'' کی سرخی کے تحت بیان کیا جا چکا ہے کہ ''مصلحت اندیشی'' پیشہ ور علماء کی زبانوں پر قفل لگا دیتی ہے اور علم کا نور میسّر ہونے کے باوجود یہ اندھے، بہرے، گونگے بن جاتے ہیں۔ اب یہ بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے کہ شرک وبدعت کے پرچار میں جاہل ائمہ بھی بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں لیکن ان کا طریقۂ کار نام نہاد علماء سے ذرا مختلف ہوتا ہے۔ اس ضمن میں صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد کی ایک ایک حدیث اوپر نقل کی جا چکی ہے۔ عصرِ حاضر میں ان احادیث کے مصداق دراصل وہ ان پڑھ حفاظ ہیں جنہوں نے قرآن پاک طوطے کی طرح رٹا ہوتا ہے لیکن قرآن کا ترجمہ وتفسیر تو دور کی بات یہ لوگ صلوٰۃ کا ترجمہ بھی نہیں جانتے۔ مگر قرآن حفظ ہونے کی بنا پر منصب امامت پر فائز ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ ایسے جاہل مولوی جو پانچ دس سورتیں حفظ کر کے محراب ومنبر پر قبضہ جما لیتے ہیں۔ برِصغیر پاک وہند میں اسی نوع کے **ائمة المضلین والضالین** کی اجارہ داری ہے۔ ان ائمہ کا انحصار چونکہ سنی سنائی باتوں اور ٹوٹکوں پر ہوتا ہے، اس لیے ہمہ وقت اپنی جاہلانہ منطق سے شرک کو توحید اور بدعت کو سنت ثابت کر کے دین کا حلیہ بگاڑنے میں مصروف رہتے ہیں۔

انسانوں میں نبی ﷺ سے بڑھ کر علم وفضل کا مالک کون ہوگا۔ لیکن نبی ﷺ سے جب کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا جس کے متعلق آپ ﷺ کو علم نہ ہوتا تو آپ ﷺ ایک لفظ بھی زبان پر نہ لاتے۔ اس ضمن میں بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے۔ باب کا ترجمہ یوں ہے:

''نبی ﷺ سے جب کوئی ایسی بات پوچھی جاتی جس کے متعلق کوئی وحی نہ اتری ہوتی تو آپ ﷺ صاف کہہ دیتے'' **لَاۤ اَدْرِیْ** ''(میں نہیں جانتا) یا جب تک وحی نہ آتی خاموش رہتے۔ نبی ﷺ نے اپنی رائے اور قیاس سے کبھی کوئی مسئلہ نہ بتایا بلکہ ہر ممکن احتراز کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد'' **بِمَاۤ اَرٰکَ اللّٰہُ** '' یعنی اللہ آپ کو جیسا بتائے اس کے موافق حکم دیجیے۔

(صحیح بخاری: کتاب الاعتصام بالکتب والسنة باب مذکورہ)

چنانچہ نبی ﷺ نے ایک حدیث کے ذریعے اپنی امت کو بھی بے علم اور بے دلیل قسم کے فتاویٰ سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

حدیث اس طرح ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ اَفْتٰی بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُہٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاہُ.

(سنن ابی داؤد: کتاب العلم باب التوقی فی الفتیا)

......ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ:

''جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا''۔

یہ اس تعلیم کا نتیجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دینے میں حددرجہ احتیاط سے کام لیتے تھے اور جس چیز کے متعلق علم نہ ہوتا اس کے بارے میں قطعاً کوئی رائے زنی نہیں کرتے تھے۔ اس ضمن میں ایک نہایت ہی سبق آموز واقعہ پیش کیا جاتا ہے یہ واقعہ صحیح بخاری میں منقول ہے جس کا مفہوم یوں ہے:

''مسروق (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد) سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ کندہ میں ایک شخص یہ بیان کر رہا تھا کہ قیامت کے دن ایک دھواں آئے گا جس سے منافقوں کی آنکھیں بالکل بیکار ہوجائیں گی اور مؤمنوں کو زکام کی سی کیفیت پیدا ہوگی، یہ سن کر ہم گھبرا گئے۔ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا (ان سے ماجرا بیان کیا) وہ تکیہ لگائے بیٹھے تھے، وہ غصے ہوگئے اور سیدھے ہوکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے کہا بات یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ جس بات کا علم ہو بیان کرے اور جس بات کا علم نہ ہو تو یوں کہے اَللّٰہُ اَعلَمُ (اللہ خوب جاننے والا ہے) اور علم کی نشانی یہی ہے کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کو کہے میں نہیں جانتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا:

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿ص:۸۶﴾

یعنی ''اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجیے کہ میں اس قرآن پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں......

(صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورۃ آلمٓ غلبت الروم)۔

چنانچہ قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلام کا دعویٰ کرنے والے ہر شخص پر لازم ہے کہ جب بولے تو خوب سوچ سمجھ کر زبان کھولے اور بے تکی ہانکنے سے گریز کرے۔ خصوصاً جس شخص کو لوگوں کی امامت وخطابت کی ذمہ داری سونپی جائے اسے تو بغیر کسی علمی دلیل کے قطعاً کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنا چاہیے کیونکہ بے دلیل اور بے سند باتیں گمراہی کا سبب بنتی ہیں لیکن اس اُمت کے ائـمـة الـمـضـلـیـن کی جرأت وحوصلے کی داد دیجیے جو خود کو کسی بھی ضابطۂ اخلاق کے پابند نہیں تصور کرتے اور جو بھی جھوٹ موٹ ان کے ذہن میں آجائے، بلا جھجک بیان کردیتے ہیں۔ نہ اللہ کا خوف انہیں لاحق ہوتا ہے اور نہ یوم حساب کا ڈر۔ ان میں اکثر قصہ گو ہوتے ہیں، جو اپنے مخصوص انداز میں جمعہ کی تقریر اس طرح شروع کرتے ہیں: وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِي الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور اس کے بعد جھوٹی کرامات کے تذکرے شروع کردیتے ہیں۔

- ☆ شیخ عبدالقادر جیلانی محبوبِ سبحانی نے بارہ برس کا ڈوبا ہوا بیڑا تیرا دیا۔
- ☆ شیخ غلام فرید شکر گنج نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو شکر کی موسلا دھار بارش برسنے لگی۔
- ☆ پیر مہر علی شاہ نے انگریز کی عدالت میں قلم کو حکم دیا قلم خود بخود اُٹھ کر لکھنے لگا وغیرہ وغیرہ۔

اور پھر سامعین کی قرآن فہمی کو بھی داد دیجیے جو وقفے وقفے سے واہ واہ اور سبحان اللہ، سبحان اللہ کہہ کر مقرر کو داد وتحسین دیتے ہیں...... جیسے گویا امام ویسے ہی عوام کالانعام۔ بہرحال ان قصہ گو واعظین یعنی ائـمـة الـمـضـلـیـن کو عوام خواہ کتنی ہی عزت واحترام کی نظر سے کیوں نہ دیکھتے ہوں، اللہ کی کتاب ان کا تذکرہ کسی اور ہی زبان میں کرتی ہے ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴿لقمٰن: ۶،۷﴾

''اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو بیہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تاکہ (لوگوں کو) بغیر علم کے اللہ کے راستے سے گمراہ کردیں اور ان (آیات) کا مذاق اُڑائیں، ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ (اِنہی لوگوں میں شامل وہ شخص کہ) جب اُس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبّر کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے، گویا اُس نے سُنا ہی نہیں (بہ الفاظِ دیگر) گویا اُس کے دونوں کانوں میں بہرہ پن ہے، تو (اے نبی) ایسے شخص کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو''۔

سچی بات ہے کہ جن لوگوں کو بیہودہ حکایتیں بیان کرنے کا چسکا پڑ جائے ان کی نظر میں اللہ کی آیتوں کی کوئی قدر وقیمت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ اللہ کی آیتیں اللہ کی وحدانیت کا سبق پڑھاتی ہیں جبکہ قصہ گو واعظین کا نصب العین شرک وبدعت کا پرچار کرنا ہوتا ہے، اور یہ اس فن میں خوب ماہر ہوتے ہیں۔ یہ اپنی شعلہ بیانی سے رائی کو پہاڑ لفاظی اور چرب زبانی سے ایک فقیرِ تہی دست ونادار کو ''داتا'' اور بندۂ مجبور ومحتاج کو ''بندہ نواز'' بنادیتے ہیں۔ ظاہراً یہ لوگ بڑے پارسا اور پاکباز ہوتے ہیں اور اپنے ایمان کے اظہار کے لیے بلند آواز کلمے کا ورد کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کے دل اتنے مکدر ہوتے ہیں کہ ان کے رُوبرو کوئی شخص اگر صرف اتنا کہدے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں تو فوراً بگڑ کر کہتے ہیں کہ ''آپ ولیوں کو نہیں مانتے''؟ اور اس جارحانہ اور شاطرانہ قسم کے سوال سے ان کا مقصد یہ باور کرانا ہوتا ہے کہ ''ولی'' اللہ کے شریک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑے اختیارات دیے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں دراصل یہی وہ نظریاتی اختلاف ہے جو ہمیشہ ایک بندۂ مومن اور کسی مشرک میں باعثِ نزاع بنتا ہے۔ اور یہی وہ اصل جھگڑا ہے جس کی بنا پر ہر دور میں ''آدم کے بیٹے'' دو فریق ہوکر باہم دست وگریباں رہے ہیں۔ یہ رُوداد کتاب اللہ کے اندر مختصراً یوں بیان کی گئی ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ﴿الحج: ۱۹﴾

''یہ دو جھگڑنے والے ہیں جو اپنے ربّ کے بارے میں جھگڑتے ہیں''۔ (بقیہ برصفحہ نمبر: ۶۱)

مالک کائنات نے فرمایا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿آل عمران: ۷﴾

''وہی (اﷲ) ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں محکم (واضح اور مضبوط) آیات ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہ آیات ہیں۔ پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اس سے فتنے اٹھانے اور اس کی تعبیر کرنے کی جستجو میں لگ جاتے ہیں حالانکہ اس کی حقیقت کوسوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لے آئے، سب ہمارے ربّ کی طرف سے ہے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہ جو عقل والے ہیں''۔

اس آیت میں قرآن کی محکم و متشابہ آیات کا ذکر کرکے دوقسم کے لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ہدایت کے سچے طلب گار تو محکم آیات کو کافی سمجھ کر اُن سے راہِ راست پالیتے ہیں جبکہ مقصدِ حیات سے ناآشنا غیر سنجیدہ لوگ، متشابہ آیات کے معنی و مفہوم کی کھوج میں توانائیاں صرف کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ اس پر مزید بحث آئندہ سطور میں ہوگی۔

مشیّتِ الٰہی کے عین مطابق جب انسان کو آزادی اور اختیار دے کر دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے بھیجا گیا تو انسان کے سامنے حق و باطل میں سے کسی ایک کو اپنانے کے لیے مالک کائنات نے اُس کے نفس کو جہاں برائی پر ملامت کرنے والا بنایا وہیں اُس کے نفس کو برائی کی طرف راغب کرنے والا بھی بنایا۔ نفس لوّامہ کی کامیابی کی صورت میں اللہ کی طرف سے فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿الفجر: ۲۹﴾ ''پس داخل ہوجا میرے خاص بندوں میں'' کی سند ملنے کی اُمید ہے اور نفس امّارہ کی جیت کو مالک نے شیطان کی طرف منسوب کرکے اُس مردود کا قول اپنی مقدس کتاب میں نقل کیا: فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴿ابراہیم: ۲۲﴾ ''پس تم مجھے الزام نہ دو بلکہ خود کو ملامت کرو''۔ انسان کے سامنے مالک کائنات نے تقویٰ و فجور کے دونوں راستے رکھ کر اُسے دنیا میں پورا پورا اختیار دے دیا کہ وہ تقویٰ کو اپنا کر شکر گزاری کے راستے کو چنے یا فجور کی راہ پر چل کر کفر کی روش کو بہتر جانے۔

جہاں شیطان مردود کو انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اختیارات دیے، وہیں اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے کتاب اللہ کی روشنی میں ہدایت کا اہتمام کیا۔ شیطان کا مقصد بنی نوعِ انسان کو جہنم کی طرف دھکیلنا ہے پھر اپنے متبعین کے ساتھ عذاب جہنم سے دوچار ہونا ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد لوگوں کو آگ میں گرنے سے بچانا ہے اور پھر اطاعت گزاروں کو اپنی معیت میں جنت میں لیکر جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جنت کے حصول کو بہت آسان نہیں بنایا ہے بلکہ اُسے حاصل کرنے والوں کے لیے" اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ " (مسلم، کتاب الزہد) کے مصداق دنیا کو قید خانہ بنایا ہے اور ملامت کرنے والوں کی انگلیوں کا نشانہ بنایا ہے۔ کبھی معاشی و معاشرتی مقاطعے کا اندیشہ جنت کے حصول میں آڑے آتا ہے تو کبھی احبار و رھبان کی انگلی پکڑ کر چلنے والے بے وقوفوں کا طعنۂ لادینیت۔ کبھی صعوبت خانوں میں جان لیوا ایذا رسانیوں سے واسطہ پڑتا ہے تو کبھی میدانِ قتال میں جم غفیر کے سامنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے جاتے ہیں۔ کبھی ہجرت کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے تو کبھی اپنے سگوں سے جدائی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ حصولِ جنت کے مشکل مراحل میں سے ایک مرحلہ یہ بھی ہے کہ قرآن کی متشابہ آیات اور احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے متشابہ اقوال سے صَرفِ نظر کیا جائے، صرف محکم آیات اور واضح احادیث کے ذریعے ہی صراطِ مستقیم کا سرا پکڑا جائے اور اگر متشابہ، مبہم یا غیبی اُمور میں غور کرنا ناگزیر ہوجائے تو اُن کو قرآن ہی کی دیگر آیات یا متعلقہ صحیح احادیث کی روشنی میں ہی سمجھا جائے۔ کسی بھی مشتبہ موضوع کو سمجھنے کے لیے خالق مطلق کی تمام تعلیمات کو سامنے رکھ کر ہی کوئی رائے قائم کی جائیگی، چاہے وہ تعلیمات قرآن کی شکل میں ہوں یا صحیح احادیث کی شکل میں۔ کسی بھی معاملے میں اللہ تعالیٰ کی جملہ تعلیمات میں سے کچھ سے صَرفِ نظر کرکے بقیہ تعلیمات کی روشنی میں کسی موقف کا قائم کرنا ایک خطرناک بات ہے کہ اس طرح لامحالہ قرآن کی کسی آیت یا سرمایۂ حدیث میں سے کسی صحیح حدیث کا انکار لازم آئیگا جو کہ صریح ظلم ہے اور ایسے ظلم کرنے والوں کے لیے ہی فرمانِ الٰہی ہے: وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿بنی اسرائیل: ۸۲﴾ ''اور نہیں اضافہ کرتا یہ (قرآن) ظالموں کے لیے سوائے خسارے کے''

شیطانی وار (مشتبہات کا جال)

اگر ہم انسانی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو واضح طور پر یہ بات نظر آئیگی کہ کسی بھی بہترین اُمت کو بگاڑنے کے لیے شیطان نے مشتبہ اُمور، مبہم معاملات، غیب کی باتوں اور بظاہر نظر نہ آنے والی چیزوں میں شک ڈال کر اپنا راستہ ہموار کیا ہے پھر بتدریج شک سے یقین تک کے سفر میں احبار و رھبان نیز خود انسان کے نفسِ امارہ کی مدد سے لوگوں کو باطل انجام تک پہنچا کر ہی دم لیا ہے، چاہے قومِ نوح کے صالحین کی بندگی ہو یا بنی اسرائیل کی بچھڑے کی پرستش، عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں غلو ہو یا ایمانِ خالص سے لبریز دینِ ابراہیم سے نزولِ قرآن کے وقت تک کے دین کا بگاڑ، ہر جگہ ہمیں شیطان کی یہی چال نظر آتی ہے۔

اس آخری اُمت میں بھی شیطان نے اپنی پرانی چال چلی، مبہم اور غیبی اُمور میں شک پیدا کر کے لوگوں میں اختلافات پیدا کرنا شروع کر دیے، کیونکہ شیطان اس بات سے تو قطعاً مایوس ہو چکا تھا کہ خیر القرون میں اُس کی بندگی ہو، البتہ عقائد اور معاملات میں شک پیدا کر کے لوگوں میں اختلافات پیدا کرنا اُس کے لیے مشکل بات نہ تھی۔ نبی ﷺ پہلے ہی اِس بات سے خبردار کر چکے تھے:

''عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یَّعْبُدَہُ الْمُصَلُّوْنَ فِیْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ وَلٰکِنْ فِی التَّحْرِیْشِ بَیْنَھُمْ''

(مسلم: کتاب صفات المنافقین واحکامھم، باب شیطان کا فساد مسلمانوں میں)

''کہ بے شک، شیطان اس بات سے تو قطعاً مایوس ہو چکا کہ عبادت گزار اس کی بندگی کریں جزیرۃ العرب میں (جس طرح جاہلیت میں اُسے پوجا جاتا تھا) البتہ، باہم اختلافات پیدا کرنا (آپس میں لڑوانا شیطان کے لیے مشکل نہ ہوگا)''۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کی امت پر شیطان کا وار کوئی انوکھا نہ تھا بلکہ وہی پرانا وار تھا جو گزشتہ قوموں میں صالحین کی وفات کے بعد اُن سے محبت کرنے والوں پر کیا گیا تھا، یعنی مردہ پرستی کی راہ ہموار کرنے کے لیے یہ شوشہ چھوڑنا کہ انسان مر کر بھی احساس و شعور سے عاری نہیں ہوتا ہے، اُس کی سماعت موت سے متاثر نہیں ہوتی ہے بلکہ کہیں زیادہ ہو جاتی ہے۔ زندگی میں تو وہ کسی دیوار کے عقب سے سننے میں دقّت محسوس کرتا تھا مگر مرنے کے بعد مٹی کی دبیز تہیں بھی اُس کی سماعت میں مانع نہیں ہوتیں! جب نشاندہی کی جاتی ہے، تو جواب ملتا ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ اس طرح معجزے کو عام کلیہ قرار دے کر باطل عقیدے کا دفاع کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ میں اپنے ذکر کی حفاظت کرونگا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ﴿الحجر: ۹﴾ ''بے شک ہم ہی نے نازل کیا ہے یہ ذکرِ نصیحت (قرآن) اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''۔

سو قرآن اپنی اصلی حالت میں ہے اور آج تک اُسی طرح قائم ہے۔ صحیح احادیث کا ذخیرہ بھی موجود ہے جو کہ من گھڑت اور موضوع روایات کے کیچڑ میں کنول کی مانند تر و تازہ ہے۔ مشیّتِ الٰہی کے عین مطابق اُس کے بندوں بشمول صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین نے ایسے اُصول مرتب کر دیے ہیں، نیز راویوں کے حالاتِ زندگی کو کچھ اس طرح اجاگر کر دیا ہے کہ آج بھی صحیح احادیث کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے، یہ سب کچھ وعدۂ حفاظتِ ذکر کی گویا تعبیر ہے۔ اِس بات سے شیاطین الجن والانس ناواقف نہ تھے لہٰذا وہ لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اس بات کے منتظر تھے کہ کوئی اختلاف سامنے آئے۔ اب دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم تک تو عقائد میں اختلاف کی گنجائش بمطابق قولِ نبوی تھی ہی نہیں: '' وَ اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ''.

(بخاري، کتاب المغازي، باب ارشادِ نبوی کہ اُحد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے)

''اور یقیناً میں، اللہ کی قسم! تمہارے بارے میں اس بات سے نہیں ڈرتا کہ تم (اصحاب رضی اللہ عنہم) میرے بعد شرک کرنے لگو گے''۔

ان شیاطین الجن والانس کی مراد بر آئی جب سماعِ موتیٰ کے مسئلے میں اختلاف سامنے آیا، ستم بالائے ستم یہ کہ اس عقیدے کے اختلاف کی نسبت صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف کر دی گئی! (کیسے گھائل ہوئے شیطان کے کاری وار سے) کہ قلیب بدر والی روایت کو بنیاد بنا کر عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے عقیدے میں اختلاف کا شوشہ چھوڑا گیا۔ روایت اِس طرح ہے:

'' عَنْ قَتَادَۃَ قَالَ ذَکَرَلَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ، اَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ ﷺ اَمَرَ یَوْمَ بَدْرٍ بِاَرْبَعَۃٍ وَّعِشْرِیْنَ رَجُلاً مِنْ صَنَادِیْدِ قُرَیْشٍ فَقُذِفُوْا فِیْ طَوِیٍّ مِنْ اَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِیْثٍ مُخْبِثٍ، وَکَانَ اِذَا ظَھَرَ عَلٰی قَوْمٍ اَقَامَ بِالْعَرْصَۃِ ثَلَاثَ لَیَالٍ فَلَمَّا کَانَ بِبَدْرٍ الْیَوْمَ الثَّالِثَ، اَمَرَ بِرَاحِلَتِہٖ فَشُدَّ عَلَیْھَا رَحْلُھَا ثُمَّ مَشٰی وَاتَّبَعَہٗ اَصْحَابُہٗ وَقَالُوْا مَانُرٰی یَنْطَلِقُ اِلَّا لِبَعْضِ حَاجَتِہٖ، حَتّٰی قَامَ عَلٰی شَفَۃِ الرَّکِیِّ، فَجَعَلَ یُنَادِیْھِمْ بِاَسْمَائِھِمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِھِمْ یَافُلَانُ بْنَ فُلَانٍ! وَیَافُلَانُ بْنَ فُلَانٍ! اَیَسُرُّکُمْ اَنَّکُمْ اَطَعْتُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ؟ فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَھَلْ وَجَدْتُّمْ مَاوَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا، قَالَ فَقَالَ عُمَرُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِمَا تُکَلِّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَا اَرْوَاحَ لَھَا فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْھُمْ '' قَالَ قَتَادَۃُ اَحْیَاھُمُ اللّٰہُ حَتّٰی اَسْمَعَھُمْ قَوْلَہٗ تَوْبِیْخًا وَتَصْغِیْرًا وَنِقْمَۃً وَحَسْرَۃً وَّنَدَمًا''.

(بخاري، کتاب المغازي، ابوجہل کے قتل کے بیان میں)

'' قتادہ نے بیان کیا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا ہم سے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بدر کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قریش کے چوبیس مقتول سردار بدر کے ایک بہت ہی اندھیرے اور گندے کنویں میں پھینک دیے گئے۔ عادتِ مبارکہ تھی کہ جب دشمن پر غالب ہوتے تو میدان جنگ میں تین دن تک قیام فرماتے۔ جنگِ بدر کے خاتمے کے تیسرے دن آپ کے حکم سے آپ کی سواری پر کجاوہ باندھا گیا اور آپ روانہ ہوئے۔ آپ کے اصحاب بھی آپ کے ساتھ تھے، صحابہ نے کہا، غالبًا آپ کسی ضرورت کیلئے

تشریف لے جا رہے ہیں۔ آخر نبی ﷺ اس کنویں کے کنارے آ کر کھڑے ہو گئے اور کفارِ قریش کے مقتولین سرداروں کے نام اُن کے باپوں کے نام کے ساتھ لے کر آپ انہیں آواز دینے لگے اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا آج تمہارے لیے یہ بات بہتر نہیں تھی کہ تم نے دنیا میں اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی بے شک ہم سے ہمارے ربّ نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا، تو کیا تمہارے متعلق جو وعدہ (عذاب کا) تھا تم نے بھی اُسے حق پایا؟ ابوطلحہ ؓ نے بیان کیا کہ اس پر عمر ؓ بول پڑے یا رسول اللہ! آپ ان لاشوں سے کیوں خطاب فرما رہے ہیں جن میں کوئی جان (روح) نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم لوگ ان سے زیادہ اسے نہیں سن رہے ہو۔ قتادہ ؒ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا تھا (اُس وقت) تاکہ نبی ﷺ انہیں اپنی بات سنا دیں ان کی توبیخ، ذلت، نامرادی اور حسرت و ندامت کے لیے"۔

قلیبِ بدر کی روایت سے کیا ثابت ہوا؟

قلیبِ بدر کے متعلق تمام روایات کے سب طُرق کو جمع کر کے اُن پر غور کیا جائے تو جن اُمور کی وضاحت ہوتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:-

۱..... "عمر ؓ کا یہ فرمانا کہ: اے اللہ کے رسول! وہ کیسے سنیں گے اور کیسے جواب دینگے جبکہ وہ گل سڑ گئے ہیں"۔

(المسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها، باب عرض مقعد المیت)

یہ بات سن کر نبی ﷺ نے عمر ؓ کے اس عقیدے کی تردید نہیں کی کہ مُردے گل سڑ گئے تھے۔

۲..... عمر ؓ کا یہ فرمانا کہ "اے اللہ کے رسول! آپ ایسے جسموں سے بات کر رہے ہیں جن میں روحیں ہی نہیں ہیں"۔

(بخاری: کتاب المغازی، باب قتل ابی جهل)

دیکھئے! یہ بات عمر ؓ نے تعلیماتِ نبوی کے مطابق ہی کہی تھی کہ تین دن گزرنے کے باوجود بھی روحیں دنیاوی اجسام میں لوٹی نہیں تھیں، کجا کہ کنویں میں پھینکنے کے فوراً بعد! ورنہ رسول اللہ ﷺ ضرور اُن کی تردید کرتے۔

یہ بات واضح رہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک نبی ﷺ کا کسی معاملے پر اعتراض نہ کرنا اُس معاملے کے صحیح ہونے کا ثبوت ہوتا تھا جیسا کہ مسلم کی روایت میں آتا ہے:

"عن محمد بن المنکدر قال رأیت جابر بن عبدالله یحلف بالله ان ابن صائد الدجال فقلت اتحلف بالله قال انی سمعت عمر یحلف علی ذلک عند النبی ﷺ فلم ینکره النبی ﷺ"۔

(مسلم: کتاب الفتن واشراط الساعة، باب ذکر ابن الصیاد)

"محمد بن منکدر سے روایت ہے میں نے جابر بن عبداللہ کو دیکھا قسم کھاتے ہوئے کہ ابن صائد دجّال ہے۔ میں نے کہا تم اللہ کی قسم کھاتے ہو، انہوں نے کہا میں نے عمر کو سنا قسم کھاتے ہوئے اِس معاملے پر نبی ﷺ کے سامنے تو نبی ﷺ نے اس کا انکار نہ کیا"۔

۳..... معروف تابعی قتادہ ؒ کا یہ کہنا کہ "اللہ تعالیٰ نے انہیں نبی ﷺ کا قول سنانے کے لیے زندہ کیا تھا"۔

(بخاری: کتاب المغازی، باب قتل ابی جهل)

گویا صحابی سے روایت کرنے والا تابعی جو کہ صحابہ ؓ کی منشا کو متاخرین سے زیادہ بہتر سمجھ سکتا ہے، اُس کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ ایک معجزہ تھا۔

۴..... ابن عمر ؓ والی روایت میں نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ "انهم الآن یسمعون" یعنی وہ اِس وقت سن رہے ہیں۔

(بخاری: کتاب المغازی، باب قتل ابی جهل)

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابن عمر ؓ کے نزدیک اُن کا سننا صرف اُس وقت تک کے لیے محدود تھا اور وہ نعوذ باللہ سماعِ موتیٰ کے قائل نہ تھے۔

۵..... عائشہ ؓا کا "یسمعون" کی جگہ "لیعلمون" کہنا کہ "اب تو وہ ضرور جان گئے ہیں اُس بات کو جو میں اُن سے کہا کرتا تھا" اِس کے بعد ام المومنین عائشہ ؓا نے ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ ﴿النمل: ۸۰﴾ اور ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ ﴿فاطر: ۲۲﴾ تلاوت کر کے حق کو واضح کر دیا۔

(مسلم: کتاب الجنائز، المیت یعذب ببکاء اهله)

۶..... عمر ؓ کا یہ فرمانا کہ "اے اللہ کے رسول! آپ انہیں تین دن بعد پکار رہے ہیں، اور کیا وہ سُن رہے ہیں جبکہ اللہ عزّ وجل فرماتا ہے ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ "(اے نبی) بے شک تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے"۔

(مسند احمد: باقی مسند المکثرین، حدیث نمبر ۱۳۵۵۱)

یہ بات سن کر نبی ﷺ کا تردید نہ کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ حق یہی ہے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے اور پھر قرآن کی تردید نبی ﷺ کیونکر کرتے جبکہ اُن کی بعثت کا مقصد قرآن کی آیات کو کھول کھول کر بیان کرنا تھا نہ کہ اُن سے اختلاف کرنا۔

اکابر پرستوں کا حد سے تجاوز:

ان تمام اُمور کو سامنے رکھیں تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ تمام صحابہ ؓ عدم سماعِ موتیٰ پر ہی متفق تھے۔ نبی ﷺ کے قول "ما انتم باسمع لما اقول منهم" کو کچھ صحابہ ؓ معجزہ گردانتے تھے اور کچھ سماع کو "علم" پر محمول کرتے تھے۔ صرف عائشہ ؓا اکیلی ہی نہیں بلکہ عمر ؓ بھی قولِ الٰہی ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ میں لفظ موتیٰ کو صرف کفار تک ہی محدود نہیں رکھتے تھے (جیسا کہ متاخرین نے لفظ موتیٰ کی تاویل کی ہے) بلکہ اس آیت کو مطلقاً عدم سماعِ موتیٰ کے حق میں پیش کرتے تھے۔ اب متاخرین (اکابر پرستوں) کے نزدیک عائشہ ؓا کے واضح موقف کو رد کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اُن کے اور ابن عمر ؓ کے درمیان خود ساختہ اختلاف کو ہوا دی جائے، لہٰذا اس اختلاف کو بیان کرنے میں بہت کچھ لکھا گیا اور آج تک صفحات کالے کیے جا رہے ہیں۔ چونکہ علمائے سوء کے اس وضع کردہ اختلاف میں عائشہ ؓا کا موقف ان کے

باطل عقائد کی تردید کرتا ہے چنانچہ عقیدۂ سماعِ موتیٰ کے دفاع میں وہ ایسے حد سے بڑھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی کرتے ہوئے اُن کو:

۱.....ضروریاتِ دین سے ناواقف،

۲..... غزوۂ بدر سے غیر حاضر،

۳.....قرآن سے غلط استدلال کرنے والی اور

۴.....احادیث کے الفاظ کو بعینہٖ نہ بیان کرنے والی ظاہر کیا گیا ہے۔

ان الزمات کی تفصیل سُہیلی کی روض الانف، جلد ۵، ص: ۱۰۵، اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں رسالۃ الی البحرین، جلد ۲۴، ص: ۱۷۲، ابن تیمیہ کی کتاب، الانتصا ر للا امام احمد، بحوالہ: فتاویٰ الاظہر: جلد ۸، ص: ۲۹۰، بحوالہ: المنحة الوهبية فی ردالوهبية، وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اب اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم ووقار سے ناآشنا اکابر پرستوں کے بے تکے الزامات کا مختصر جائزہ بھی ملاحظہ ہو:

۱.....ضروریاتِ دین سے ناواقفیت کی تردید صحابیٔ رسول ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی زبانی:

"عن ابی موسیٰ قال ما اشکل علینا اصحاب رسول اللہ ﷺ حدیث قط فسألنا عائشة الا وجد نا عند ها منه علماً"۔

(ترمذی، المناقب، باب فضل عائشة رضی اللہ عنہا)

"ہم اصحابِ رسول اللہ ﷺ پر کوئی ایسا اشکال نہیں گزرتا کہ ہم اُس کی بابت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھیں اور وہاں سے ہمیں اس اشکال کے بارے میں کوئی علم نہ ملے"۔

۲.....غزوۂ بدر سے غیر حاضری کی تردید خود عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی:-

"عن عائشة زوج النبی ﷺ انها قالت خرج رسول اللہ قبل بدر فلما کان بحرة الوبرة ادرکه رجل قد کان یذکر منه جرأة ونجدة ففرح اصحاب رسول اللہ حین رأوه فلما ادرکه قال لرسول اللہ جئت لأتبعک واصیب معک قال له رسول اللہ تؤمن باللہ ورسوله قال لا قال فارجع فلن استعین بمشرک قالت ثم مضیٰ حتی اذا کنا بالشجرة ادرکه الرجل فقال له کما قال اول مرة فقال له النبی کما قال اول مرة قال فارجع فلن استعین بمشرک قال ثم رجع فادرکه بالبیداء فقال له کما قال اول مرة تؤمن باللہ ورسوله قال نعم فقال له رسول اللہ فانطلق"

(مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب کراهة الاستعانة فی الغزو بکافر)

"(اُمّ المؤمنین) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نکلے رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف جب حرۃ الوبرۃ (مدینہ سے چار میل دُور ایک مقام) پہنچے تو ایک شخص نبی ﷺ سے مِلا جس کی بہادری اور اصالت کا شہرہ تھا پس رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اُس کو دیکھ کر خوش ہوگئے جب نبی ﷺ سے ملا تو اُس نے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کے ساتھ چلوں اور جو ملے اس میں حصہ پاؤں، اُس کو رسول اللہ ﷺ نے کہا ایمان لے آ اللہ اور اُس کے رسول پر، وہ بولا نہیں، تو نبی ﷺ نے فرمایا پس لوٹ جا! میں ہرگز مشرک کی مدد نہیں چاہتا

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر نبی ﷺ چلے حتیٰ کہ ہم مقامِ شجرہ پہنچے تو وہ شخص پھر نبی ﷺ سے ملا اور وہی کہا جو پہلے اُس نے کہا تھا نبی ﷺ نے وہی فرمایا جو پہلے فرمایا تھا اور کہا کہ لوٹ جا میں ہرگز مشرک کی مدد نہیں چاہتا۔ پھر وہ لوٹ گیا بعد اِس کے پھر نبی ﷺ سے بیداء نامی مقام پر ملا تو نبی ﷺ نے وہی فرمایا جو پہلے فرمایا تھا کہ تو ایمان لے آ اللہ اور اس کے رسول پر، اُس نے کہا ہاں (میں ایمان لاتا ہوں) پس نبی ﷺ نے فرمایا تو چل"۔

مذکورہ روایت میں الفاظ "اذا کنا بالشجرة" عائشہ رضی اللہ عنہا کی غزوۂ بدر میں موجودگی کی گواہی دے رہے ہیں۔

۳.....عدمِ قرآن فہمی کی تردید فقہائے سبعة میں سے ایک عروہ بن الزبیر کی زبانی:-

"عن عروة قال ما رأیت احدا من الناس اعلم بالقرآن ولا فریضة ولا بحلال ولا بحرام ولا بشعر ولا بحدیث العرب ولا بنسب من عائشة رضی اللہ عنہا"۔

(حلیة الاولیاء لابی نعیم، التبصرة لابن الجوزی)

"میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ قرآن کا عالم، فرائض، حلال وحرام، شعر، اقوالِ عرب اور علم الانساب کو سمجھنے والا نہیں دیکھا"۔

۴.....الفاظِ حدیث نبوی میں عدمِ احتیاط کی تردید ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی:-

"حدثنا نافع قیل لابن عمر ان اباهریرة یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من تبع جنازة فله قیراط من الأجر فقال ابن عمر اکثر علینا ابو هریرة فبعث اِلی عائشة فسألها فصدقت ابا هریرة فقال ابن عمر لقد فرطنا فی قراریط کثیرة"۔

(مسلم: کتاب الجنائز، باب فضل الصلاة علی الجنازة واتباعها)

"ہم سے نافع نے حدیث بیان کی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کہا گیا کہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو جنازے کے ساتھ جائیگا اُس کو ایک قیراط کا ثواب ہے پس ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بہت روایتیں کرتے ہیں کہ (اُن کی روایت کو مشکوک جانا) پھر عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھ بھیجا تو انہوں نے ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی بات کو سچا کہا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے تو یقیناً بہت سے قیراطوں کا نقصان کردیا"۔

اِس سے اگلی ہی روایت میں امام مسلم نے واضح کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خباب رضی اللہ عنہ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تھا۔ واضح رہے کہ یہ وہی عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ ہیں کہ بقولِ اہلِ علم یہ "عائشہ سے اختلاف رکھتے تھے"۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اُم المومنین کی رائے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے قابلِ احترام تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عائشہ رضی اللہ عنہا کو (۱) ضروریاتِ دین سے واقف، (۲) غزوۂ بدر میں حاضر، (۳) قرآن سے صحیح ترین استدلال کرنے والی اور (۴) احادیث کے الفاظ کو بعینہٖ بیان کرنے والی جانتے تھے۔ تراجم، طبقات اور سِیَر کی کتابیں تو یہی بتاتی ہیں۔

دوسری صحیح روایت جس سے سماعِ موتیٰ کا عقیدہ کشید کیا گیا ہے وہ قرعِ نعال والی حدیث ہے:

''عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال العبد اِذا وضع فی قبرہ وتولیٰ وذھب اصحابہ حتی انہ یسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فاقعداہ فیقولا ن لہ ماکنت تقول فی ھذا الرجل محمد ﷺ فیقول انہ عبداللہ ورسولہ فیقال انظر اِلی مقعدک فی النار ابدلک اللہ بہ مقعدًا من الجنۃ قال النبی ﷺ فیراھما جمیعًا واما الکافر اولمنافق فیقول لا ادری کنت اقول مایقول الناس فیقال لا دریت ولا تلیت ثم یضرب بمطرقۃ من حدید ضربۃ بین اُذنیہ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ الا الثقلین''۔

(بخاری: کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال)

''انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور (دفن کر کے) اُس کے ساتھی پیٹھ موڑ کر رخصت ہوتے ہیں تو وہ اُن (فرشتوں) کے جوتوں کی آواز سنتا ہے دو فرشتے آتے ہیں پس اُسے بٹھاتے ہیں اور اُس سے پوچھتے ہیں کہ اِس شخص (محمد رسول اللہ ﷺ) کے متعلق تمہارا کیا اعتقاد ہے وہ جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس جواب پر اُس سے کہا جاتا ہے کہ یہ دیکھ جہنم کا اپنا ایک ٹھکانا، لیکن اللہ تعالیٰ نے جنت میں تیرے لیے ایک ٹھکانا اِس کے بدلے میں بنا دیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس بندۂ مومن کو جنت اور جہنم دونوں دکھائی جاتی ہیں اور رہا کافر یا منافق......تو اُس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں، میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تھا وہی میں بھی کہتا رہا۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے نہ کچھ سمجھا اور نہ (اچھے لوگوں کی) پیروی کی۔ اس کے بعد اسے لوہے کے ہتھوڑے سے دونوں کانوں کے درمیان ایک زوردار ضرب لگائی جاتی ہے پس وہ چیختا ہے (اتنے بھیانک طریقے سے) کہ انسان اور جن کے سوا اردگرد کی تمام مخلوق سنتی ہے''۔

یہ حدیث ان مشتبہ اُمور میں سے ایک ہے کہ جس کی تاویل دیگر قرآن وحدیث پر مبنی تعلیمات کی روشنی ہی میں کی جائیگی۔ اس حدیث کے ظاہری الفاظ کو من وعن تسلیم کر کے تو عدم سماعِ موتیٰ سے متعلق تمام آیات کا انکار لازم آتا ہے، دو موتیں دو زندگیوں کی نفی ہوتی ہے، جن کو دنیا میں قبر نہ ملے ان کے متعلق اشکال پیدا ہوتا ہے، تدفین میں تاخیر کی صورت میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آیا فرشتے مردے سے سوال کرنے کے لیے تدفین کے منتظر ہیں جبکہ سورۃ الانعام کی آیت: ۹۳ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ کے مطابق ''ذلت کا عذاب آج سے ہی شروع ہو جاتا ہے'' اور صحیح بخاری، کتاب الجنائز کی یہودی عورت والی حدیث کے الفاظ 'لتعذب فی قبرھا '' کے مطابق یہودی عورت پر عذابِ قبر اُس کو دفنانے سے قبل ہی کیونکر شروع ہو جاتا ہے۔ ان تمام شواہد واشکالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قرعِ نعال والی حدیث کی تاویل ناگزیر ہے۔ کتاب وسنت کے آئینے میں جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ بندہ فرشتوں کی چاپ سنتا ہے نہ کہ انسانوں کی اور وہ بھی آخرت کے کسی مقام میں نہ کہ دنیاوی گڑھے میں، یا پھر اس کو کنایہ مانا جائے کہ رسول اللہ ﷺ اس حدیث کو بیان کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ بندے سے آخرت میں سوال جواب کا معاملہ فوراً ہی شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ ابھی اُس کے جسم کو دفنانے والوں کی چاپ تک سنائی دے رہی ہوتی ہے۔

ان دو صحیح احادیث کے علاوہ جتنی بھی روایات سماعِ موتیٰ کے ذیل میں پیش کی جاتی ہیں اُن میں اکثر ضعیف، منکر اور موضوع ہیں، سوائے چند متشابہ روایات کے جن کی بنیاد پر کسی عقیدے کو اپنانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے علاوہ کچھ نہیں۔ ان دو صحیح احادیث کی غلط تاویل اور دیگر ضعیف، منکر اور موضوع روایات کے ذریعے سماعِ موتیٰ کو ثابت کر کے قرآن کی بہت سی آیات اور بہتیری صحیح احادیث کا انکار کیا گیا ہے۔ سورۃ الفاطر میں اللہ تعالیٰ نے چار باتیں اور ان کی ضد بیان کی:

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ

''اور برابر نہیں ہے اندھا اور آنکھوں والا، اور نہ تاریکیاں اور نہ روشنی، اور نہ چھاؤں اور نہ دھوپ۔ اور نہیں برابر ہو سکتے زندے اور مُردے''۔

غور تو کیجئے! یہاں اللہ تعالیٰ نے اندھے اور آنکھوں والے کے درمیان بنیادی فرق اور اسی طرح تاریکیاں اور روشنی کے درمیان فرق، نیز چھاؤں اور دھوپ کے فرق کو واضح نہیں کیا مگر زندے اور مردے کے فرق کو ضرور واضح کیا:

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

﴿فاطر: ۱۹ تا ۲۲﴾

''بے شک اللہ سنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور نہیں تم سنانے والے ہو اُن کو جو قبروں میں ہیں۔''

اِس فرق کو اِس لیے واضح کیا کہ یہی وہ مشتبہ معاملہ ہے جہاں سے انسان بھٹک سکتا ہے اور زندوں اور مُردوں کے درمیان موجود بہت سے فروق اور مختلف باتوں میں سے خصوصاً سماعِ موتیٰ کی نفی کو نیز حتمی طور پر مالکِ کائنات نے مُردے کو سنانا سوائے اپنی ذات کے اپنے چُنے ہوئے نبی کے لیے بھی غیر ممکن قرار دیا، مگر کیا کریں کہ شیطان کا وار چل چکا تھا۔ اُس وقت کے علمائے سُوء متشابہات کی دلدل میں پھنس چکے تھے۔ پھر اُس وقت کے امام نے سماعِ موتیٰ کے معتقدین کو (جن کی اکثریت کے عقائد کا دارو مدار موضوع ومنکر روایات پر مشتمل ہے) اخبارِ اَحاد کے ذریعے عَودِ روح کا نظریہ فراہم کر کے اِس عقیدے کی مزید توثیق کر دی۔ خود اپنے ہی بنائے اُصولوں سے انحراف کیا گیا کہ کسی اکیلے راوی کی روایت سے کوئی عقیدہ کشید نہیں کیا جائیگا اِلّا یہ کہ خبرِ واحد روایت کرنے والا حفاظ میں سے ہو اور نصِ قرآنی یا کسی ثقہ راوی کی مخالفت نہ کر رہا ہو۔ زندگی بھر قرآن کو مخلوق کہنے والوں کے خلاف لڑنے والا آج مخلوق کے بنائے ہوئے عودِ روح کے نظریے کو حق جان کر قرآن کو مخلوق سے بھی کمتر گردان رہا تھا مگر پھر بھی وہ خلقِ قرآن کا ہیرو تھا، اپنے وقت کا امام تھا۔ تو کیا ہوا اگر اُس نے خالق کے کلام کو مخلوق

کے کلام سے منسوخ کردیا! کیا اس لیے کہ اُس کے ساتھ اُس وقت ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا سوادِ اعظم موجود تھا۔

عَودِ رُوح کا نظریہ جس طویل روایت پر قائم کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے:-

''حدثنا ابو معاویة قال حدثنا الا عمش عن منهال بن عمرو عن زاذان عن البراء بن عازب قال خرجنا مع النبی ﷺ فی جنازة رجل من الانصار فانتهینا اِلی القبر ولمایلحدفجلس رسول الله ﷺ وجلسنا حوله وکأن علی رؤوسنا الطیر وفی یده عود ینکت فی الارض فرفع رأسه فقال استعیذوا بالله من عذاب القبر مرتین اوثلاثا ثم قا ل ان العبد المؤمن اذا کان فی انقطا ع من الدنیا واقبال من الآخرة نزل الیه ملائکة من السماء بیض الوجوه کأن وجوههم الشمس معهم کفن من اکفان الجنة وحنوط من حنوط الجنة حتی یجلسوا منه مد البصر ثم یجیئی ملک الموت علیه السلام حتی یجلس عندرأسه فیقول ایتها النفس الطیبة اخرجی اِلیٰ مغفرة من الله و رضوان قال فتخرج تسیل کما تسیل القطرة من فی السقاء فیأخذها فاذا اخذها لم یدعوها فی یده طرفة عین حتی یأخذوها فیجعلوها فی ذلک الکفن وفی ذلک الحنوط ویخرج منها کأطیب نفحة مسک وجدت علی وجه الأرض قال فیصعدون بها فلا یمرون یعنی بها علی ملاء من الملائکة الا قالوا ماهذا الروح الطیب فیقولون فلان بن فلان بأحسن اسمائه التی کانوا یسمونه بها فی الدنیا حتی ینتهوا بها اِلی السماء الدنیا فیستفتحون له فیفتح لهم فیشیعه من کل سماء مقربوها الی السما ء التی تلیها حتی ینتهیٰ به الی السماء السابعة فیقول الله عزوجل اکتبوا کتاب عبدی فی علیین وأ عیدوه الی الارض فانی منها خلقتهم وفیها اعید هم ومنها اخرجهم تارة اخریٰ قال فتعاد روحه فی جسده فیأ تیه ملکان فیجلسان فیقولان له من ربک فیقول ربی الله فیقولا ن له ما دینک فیقول دینی الاسلام فیقولان له ماهذا الرجل الذی بعث فیکم فیقول هورسول الله ﷺ فیقولان له وما علمک فیقول قرأت کتاب الله فآمنت به وصدقت فینادی مناد فی السماء ان صدق عبدی فأفرشوه من الجنة وألبسوه من الجنة وافتحوله بابا اِلی الجنة قال فیأتیه من روحها وطیبها ویفسح له فی قبره مد بصره قال ویأ تیه رجل حسن الوجه حسن الثیاب طیب الریح فیقول البشر بالذی یسرک هذا یومک الذی کنت توعد فیقول له من انت فوجهک الوجه یجیئ بالخیر فیقول انا عملک الصالح فیقول رب اقم الساعة حتی أرجع اِلی اهلی ومالی قال وان العبد الکافر اِذا کان فی انقطا ع من الدنیا واقبال من الأخرة نزل الیه من السماء ملائکة سودالوجوه معهم المسوح فیجلسون منه مد البصر ثم یجیئ ملک الموت حتیٰ یجلس عندرأسه فیقول ایتها النفس الخبیثة اخرجی اِلیٰ سخط من الله وغضب قال فتفرق فی جسده فینتزعها کما ینتزع السفود من الصوف المبلول فیأ خذها فاذا اخذها لم یدعو ها فی یده طرفة عین حتی یجعلوها فی تلک المسوح ویخرج منها کأ نتن ریح جیفة وجدت علی وجه الأرض فیصعدون بها فلا یمرون بها علی ملا ءٍ من الملائکة الا قالوا ما هذا الروح الخبیث فیقولون فلان بن فلان بأ قبح اسمائه التی کان یسمٰی بها فی الدنیا حتی ینتهی به الی السماء الدنیا فیستفتح له فلا یفتح له ثم قرأ رسول الله ﷺ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ فیقول الله عزوجل اکتبوا کتابه فی سجّین فی الارض السفلیٰ فتطرح روحه طرحاً ثم قرأ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝ فتعاد روحه فی جسده ویاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک فیقول ها ها لا ادری فیقولا ن له مادینک فیقل ها ها لا ادری فیقولان له ما هذا الرجل الذی بعث فیکم فیقول ها ها لااد ری فینا دی مناد من السماء ان کذب فافرشوا له من النار وافتحوا له بابا الی النار فیاتیه من حرها و سمومها ویضیق علیه قبره حتی تختلف فیه اضلاعه ویاتیه رجل قبیح الوجه قبیح الثیاب منتن الریح فیقول أبشر بالذی یسوء ک هذا یومک الذی کنت توعد فیقول من انت فوجهک الوجه یجییء بالشر فیقول انا عملک الخبیث فیقول رب لا تقم الساعة''۔

(مسند احمد ، مسند الکوفیین ، حدیث البراء بن عازب)

''ہم سے ابو معاویہ نے حدیث بیان کی کہا کہ ہم سے اعمش نے حدیث بیان کی اُنہوں نے منہال بن عمرو سے روایت کی اُنہوں نے زاذان سے بیان کی اُنہوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بیان کی کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں نکلے ہم قبر کے قریب پہنچے تو ابھی تک لحد تیار نہیں ہوئی تھی اس لیے نبی ﷺ بیٹھ گئے ہم بھی اُن کے گرد بیٹھ گئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ نبی ﷺ کے دستِ مبارک میں ایک لکڑی تھی جس سے وہ زمین کو کرید رہے تھے پھر سر اٹھا کر فرمایا اللہ سے عذابِ قبر سے بچنے کے لیے پناہ مانگو، دو تین مرتبہ فرمایا۔ پھر فرمایا کہ بندۂ مومن جب دنیا سے رخصتی اور سفرِ آخرت پر جانے کے قریب ہوتا ہے تو اُس کے پاس آسمان سے روشن چہروں والے فرشتے ''جن کے چہرے سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں'' آتے ہیں ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی حنوط ہوتی ہے، تاحدِ نگاہ وہ بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے نفسِ مطمئنہ اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل چل! چنانچہ اس کی روح اس طرح بہ کر نکل جاتی ہے جیسے مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ بہ جاتا ہے پس ملک الموت اُسے پکڑ لیتا ہے اور جیسے ہی پکڑتا ہے دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کی مقدار میں اس کی روح کو ملک الموت کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے بلکہ اس سے لیکر اُسے لائے ہوئے کفن میں لپیٹ کر اُس پر اپنی لائی ہوئی حنوط مَل دیتے ہیں اور اُس سے ایسی خوشبو

آتی ہے جیسے مشک کا سب سے خوشگوار جھونکا جو زمین پر محسوس ہو سکے"۔

پھر فرشتے اس روح کو لیکر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کے جس گروہ پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ گروہ پوچھتا ہے کہ یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ وہ جواب میں اُس کا وہ بہترین نام بتاتے ہیں جس سے دنیا میں لوگ اسے پکارتے تھے حتیٰ کہ وہ اُسے لیکر آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتے ہیں اور دروازے کھلواتے ہیں جب ان کے لیے دروازے کھلتے ہیں تو ہر آسمان کے فرشتے اُس کی مشایعت (تعریف) کرتے ہیں اور اگلے آسمان تک اُسے چھوڑ کر آتے ہیں اور اس طرح وہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کا نامۂ اعمال علیین میں لکھ دو اور اُسے واپس زمین کی طرف لے جاؤ کیونکہ میں نے اپنے بندوں کو زمین کی مٹی ہی سے پیدا کیا ہے، اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ نکالوں گا۔

چنانچہ اس کی روح جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے، پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اُسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تیرا ربّ کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا ربّ اللہ ہے وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر علیہ السلام ہیں وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا علم کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی، اس پر آسمان سے ایک منادی پکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا اس کے لیے جنت کا بستر بچھا دو اسے جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دو چنانچہ اسے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں، اور تا حدِ نگاہ اس کی قبر وسیع کر دی جاتی ہے اور اس کے پاس ایک خوبصورت چہرے، خوبصورت لباس اور انتہائی عمدہ خوشبو والا ایک آدمی آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تمہیں خوشخبری مبارک ہو یہ وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ اس سے پوچھتا ہے کہ تم کون ہو کہ تمہارا چہرہ ہی خیر کا پتہ دیتا ہے وہ جواب دیتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں، اس پر وہ کہتا ہے کہ پروردگار ابھی قائم کر دے قیامت کو تا کہ میں اپنے اہلِ خانہ اور مال و متاع میں واپس لوٹ جاؤں۔

اور جب کوئی کافر شخص دنیا سے رخصتی اور سفرِ آخرت پر جانے کے قریب ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے اُتر کر آتے ہیں جن کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں وہ تا حدِ نگاہ بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اے نفسِ خبیثہ! اللہ کی ناراضی اور غصے کی طرف چل! یہ سن کر اس کی روح جسم میں دوڑنے لگتی ہے اور ملک الموت اسے جسم سے اس طرح کھینچتا ہے جیسے گیلی اُون سے سیخ کھینچی جاتی ہے اور اُسے پکڑ لیتا ہے۔ (پھر دوسرے) فرشتے ایک بار پلک جھپکنے کی مقدار بھی اسے اس کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے اور اسے ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے مردار کی بدبو جیسا ایک ناخوشگوار اور بدبودار جھونکا آتا ہے۔ پھر وہ اسے لیکر اُوپر چڑھتے ہیں، فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے ان کا گزر ہوتا ہے وہی گروہ کہتا ہے کہ یہ کیسی خبیث رُوح ہے وہ اس کا دنیا میں لیا جانے والا بدترین نام بتاتے ہیں یہاں تک کہ اسے لے کر آسمانِ دنیا پر پہنچ جاتے ہیں، دروازہ کھلواتے ہیں لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ﴿الاعراف: ۴۰﴾ "ان کے لیے نہ تو آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ ہی جنت میں داخل ہونگے تاوقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے"۔ پس اللہ عزوجل فرمائیں گے کہ اس کا نامہ اعمال سجین میں سب سے نچلی زمین میں لکھ دو چنانچہ اس کی روح کو پھینک دیا جاتا ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿الحج: ۳۱﴾ "جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لیں یا ہوا اسے دُور دراز کی جگہ میں لے جا ڈالے"۔

پھر اس کی روح جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا ربّ کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے ہائے افسوس مجھے کچھ پتہ نہیں، وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے ہائے افسوس مجھے کچھ پتہ نہیں، وہ پوچھتے ہیں کہ وہ کون شخص تھا جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے ہائے افسوس مجھے کچھ پتہ نہیں اور آسمان سے ایک منادی پکارتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے اس کے لیے آگ کا بستر بچھا دو اور جہنم کا ایک دروازہ اس کے لیے کھول دو چنانچہ وہاں کی گرمی اور لُو اُسے پہنچنے لگتی ہے اور اُس پر قبر تنگ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں پھر اس کے پاس ایک بدصورت آدمی گندے کپڑے پہن کر آتا ہے جس سے بدبو آ رہی ہوتی ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تجھے خوشخبری مبارک ہو یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ پوچھتا ہے کہ تو کون ہے کہ تیرے چہرے ہی سے شَر کی خبر معلوم ہوتی ہے وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا گندہ عمل ہوں، اس پر وہ کہتا ہے کہ اے میرے ربّ قیامت قائم نہ کرنا"۔

زاذان و منہال کی یہ روایت الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ ابوداؤد الطیالسی نے اپنی مسند میں، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، ابن ابی شیبہ نے مصنّف میں، ابوداؤد نے اپنی سنن میں، حاکم نے مستدرک میں اور ابن مبارک نے الزہد میں بھی روایت کی ہے۔ غور کیجئے! براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت زاذان کے علاوہ اُن کے دیگر شاگردوں سے بھی مروی ہے مگر منہال و زاذان کی بیان کردہ خرافات سے پاک ہے، براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے یہ روایت بذریعہ سعد بن عبیدہ "بخاری و مسلم" میں، بذریعہ خیثمہ صرف "مسلم" میں نیز تقریباً تمام کتبِ حدیث میں سعد بن عبیدہ، خیثمہ، ابواسحاق الہمدانی، محمد بن مالک اور ابو جحیفہ وھب بن عبداللہ کے ذریعے مروی ہے مگر...... اعادۂ روح کا تذکرہ منہال و زاذان کے علاوہ کوئی نہیں کرتا۔

مسند احمد میں براء بن عازب ؓ سے سعد بن عبیدہ یہی روایت کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"عن سعد بن عبيدة عن البراء بن عازب ان النبی ﷺ قال فی القبر اذا سئل فعرف ربه قال وقال شیء لا احفظه فذلک قوله عزّوجلّ:
يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ"

(مسند احمد ، مسند الکوفیین ، حدیث البراء بن عازب ؓ)

"سعد بن عبیدہ براء بن عازب ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قبر کے متعلق فرمایا کہ جب (بندے سے) سوال جواب کیے جاتے ہیں تو وہ اپنے ربّ کو پہچان لیتا ہے براء بن عازب ؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے کچھ کہا تھا جسے میں یاد نہیں رکھتا، پس یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے فرمان کا" ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات کے ساتھ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی"۔

اسی طرح بیہقی اپنی کتاب اثبات عذاب القبر وسؤال الملکین میں براء بن عازب ؓ کی زیر بحث روایت بذریعہ ابواسحاق لائے ہیں:

"شعبة عن ابی اسحاق عن البراء بن عازب قال ذکر النبی ﷺ المؤمن والکافر ثم ذکر اشیاء لم احفظها فقال ان المؤمن اذا سئل فی قبره قال ربی الله فذلک قوله عزّوجلّ:
يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ"

"شعبہ نے ابواسحاق سے روایت کیا انہوں نے براء بن عازب ؓ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے مؤمن وکافر کا ذکر کیا پھر کچھ باتوں کا ذکر کیا جنہیں میں یاد نہیں رکھتا پس فرمایا بے شک مؤمن سے جب اپنی قبر میں پوچھا جائیگا تو جواب دیگا کہ میرا ربّ اللہ ہے اور یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس قول کا:
"ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات کے ساتھ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی"۔

غور طلب بات یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ سعد بن عبیدہ اور ابواسحاق جیسے (محدثین کے نزدیک) ایک ہی حدیث روایت کرتے ہوئے براء بن عازب ؓ کا کچھ باتوں کا یاد نہ رکھنا بیان کر کے روایت مختصراً بیان کریں جبکہ اُسی حدیث کو زاذان اور اُس کا شاگرد منہال اتنی تفصیل سے بیان کریں کہ وہ سرمایۂ حدیث کی طویل ترین روایتوں میں سے ایک قرار پائے۔ شاید اِسی لیے شعبہ نے حکم کا قول زاذان کے بارے میں نقل کیا ہے "کان کثیر الکلام" زاذان زیادہ بات کرنے والا تھا (یعنی باتیں بناتا تھا)۔ (سیر اعلام النبلاء ، زاذان کے حالاتِ زندگی)

عودِ روح کے شیدائیوں کے لیے یہ روایت واحد سہارا ہے لہٰذا اِسے مضبوطی سے دانتوں سے پکڑا ہوا ہے اور اس کے راویوں منہال وزاذان پر محدثین کی جرح کے باوجود، دونوں کو ثقہ گردانا جاتا ہے اور ان دونوں کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے بہت سی تحریریں لکھی گئیں اور آج تک لکھی جارہی ہیں۔ اس منکر روایت کو بیان کرتے ہوئے راویان (منہال وزاذان) سے ایک سہو بھی ہوگیا ہے جو "اهل السنة والجماعة" کے موقف کے خلاف جاتا ہے، دونوں راوی منجملہ اقوالِ نبوی (بزعم خود) ایک قول نقل کرتے ہیں "ثم قال ان العبد المؤمن اذا کان فی انقطاع من الدنیا واقبال من الآخرة" "پھر فرمایا کہ بندۂ مؤمن جب دنیا سے رخصتی اور سفرِ آخرت پر جانے کے قریب ہوتا ہے"، اب یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ دنیا سے رابطہ منقطع ہونے کے بعد دنیا ہی کے کسی گڑھے میں رُوح کا لوٹانا اور مُردے کا زندہ ہوجانا، کیا یہ باہم متضاد نہیں؟۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿یٰس : ۳۱﴾ "وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے"۔ مگر امامِ وقت اور اُس کے متبعین نے لوٹا دیا۔

مالکِ کائنات نے دنیا میں دوبارہ لوٹنے کی درخواست کرنے والے کو سختی سے منع کر دیا كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿المؤمنون : ۱۰۰﴾ "ہرگز نہیں یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے ان کے پسِ پُشت تو برزخ (آڑ) ہے ان کے دوبارہ زندہ کیے جانے کے دن تک"۔ مگر امامِ وقت اور اس کے متبعین نے اللہ کے انکار کو اقرار میں بدل دیا اور لوگوں کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے لیے دنیاوی قبر کو برزخ بنادیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفارِ مکہ کو چیلنج کیا تھا تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿الواقعہ : ۸۷﴾ ۔"ذرا اس (روح) کو تو لوٹا دو اگر تو تم اس قول میں سچے ہو"۔ امامِ وقت اور اس کے متبعین نے کفارِ مکہ سے دو ہاتھ آگے بڑھتے ہوئے روح کو لوٹا کر اللہ کے چیلنج کو نعوذ باللہ جھوٹا ثابت کر کے مالکِ کائنات کے وقار سے کھیل کھیلا۔

اس کے علاوہ بہت سی صحیح احادیث کا انکار کر کے رسالتِ محمدی کا انکار کر دیا، اللہ کے نبی ﷺ تو کہیں:

"ما من عبد یموت له عند الله خیر یسره ان یرجع اِلی الدنیا وان له الدنیا وما فیها الا الشهید"۔

(بخاری ، کتاب الجهاد ، باب الحور العین وصفتهنّ)

"کوئی بھی اللہ کا بندہ جو مر جائے اور اللہ کے پاس اس کی کچھ بھی نیکی جمع ہو وہ پھر دنیا میں آنا پسند نہیں کرتا گو کہ اس کو ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب کچھ مل جائے ماسوائے شہید کے"۔

مگر امامِ وقت اور اُس کے متبعین...... ہر مرنے والے کی روح کو دنیا میں نہ صرف لوٹائیں بلکہ روح کے اس لوٹنے کو "ایمان کا حصہ" بھی قرار دیں۔

اب جبکہ روح کو مُردہ جسم میں لوٹا دیا گیا تو مُردہ دوبارہ زندہ ہوگیا اور دیگر باطل عقائد بھی سامنے آئے، یعنی اب یہ زندہ (دراصل مردہ) صرف سُنتا ہی نہیں بلکہ کلام بھی کرنے لگا، احساس وشعور بھی رکھنے لگا، زائرین کو پہچاننے بھی لگا، اس پر اعمال بھی پیش ہونے لگے اور حد تو یہ کہ زندوں کے نیک اعمال سے خوش ہونا اور برے اعمال سے ناراضی جیسے جذبات کا حامل بھی ہوگیا۔

سورۃ مریم کی آخری آیت میں فرمانِ الٰہی ہے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ﴿مریم : ۹۸﴾

''اور (اے نبی) ہم نے ہلاک کردی ہیں ان سے پہلے بھی کتنی ہی جماعتیں، کیا تم اُن میں سے کسی ایک کی بھی آہٹ کو محسوس کرتے ہو یا تم سن سکتے ہو اُن کی بھنک بھی''۔

اِس آیت میں مالکِ کائنات اللہ عزوجل خصوصاً اپنے نبی ﷺ اور عموماً تمام بنی نوعِ انسان کا مُردوں کی برزخی زندگی کو محسوس کرنے یا اُن کی آواز کی بھنک بھی کان میں پڑنے کا انکار کرتا ہے۔ اب وہ آواز چاہے مُردوں کے برزخی زندگی میں بولنے کی ہو یا پھر اُن کے عذاب یا راحت سے دوچار ہونے کی ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا واضح کردہ ''قانون'' نیز اس کی بنائی ہوئی ''سنت'' چونکہ سابقہ باطل عقائد کو کالعدم قرار دیتی ہے، لہٰذا اس آیت کو تاویل کی بھینٹ چڑھانے کے لیے نبی کریم ﷺ کے چند معجزات پیش کیے جاتے ہیں مثلاً نبی ﷺ کا یہودیوں کے عذاب کا ایک دفعہ سُننا، نبی ﷺ کے خچر کا قبروں کے پاس ایک دفعہ بدکنا، چغلی کرنے والے اور پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے والے کے عذاب کی خبر ایک دفعہ دینا اور اُن کی قبروں پہ ٹہنی لگانا، وغیرہ۔ اگر ان مخصوص واقعات میں اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کے بیان کردہ اقوال وافعال کو خرقِ عادت ہونے کے باوجود قانون قرار دینے کے لیے حجت مانا جائے اور اسی کے مطابق عقیدہ بنایا جائے (جیسا کہ کسی نے قبر کے اندر دنیا کے حالات کا علم ہونے اور باہر نکل کر اونٹ ذبح کردینے اور خواب میں زندہ لوگوں سے رابطے کر لینے کا دعویٰ کیا) تو پھر دیگر مخصوص واقعات اور معجزات کو قانونِ عام اور اللہ کی سنت کے خلاف ہوتے ہوئے کیوں حجت نہیں مانا جاتا۔ اِس طرح تو جہنم کو مدینے کے قریب ہی ہونا چاہیے کیونکہ نہ صرف نبی ﷺ نے بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی جہنم میں پتھر گرنے کی آواز سنی تھی جیسا کہ مسلم کی روایت کردہ حدیث کے آخری الفاظ ظاہر کرتے ہیں:

''هذا وقع فی اسفلها فسمعتم وجبتها''

(مسلم، الجنة وصفة نعيمها واهلها۔باب فی شدة حر نار جهنم وبعد قعرها)

''وہ پتھر جہنم کی تہ میں گرا پس تم نے سُنا اُس کا دھماکہ''۔

اس کے علاوہ لیلة المعراج میں پیش آنے والے واقعات، مدینہ سے کوسوں دُور مؤمنین کی شہادت ووفات کی خبر ایک دفعہ سے زائد دینا، برتنوں میں کھانا یا پانی کا ختم نہ ہونا، اُحد پہاڑ کا لرزنا، الغرض دورِ نبوت میں بہت سے خرقِ عادت واقعات رُونما ہوئے ہیں جنہیں بہت سے مصنفین نے اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے۔ ان سب واقعات کو اگر بعینہٖ حجت مان کر قابلِ عمل گردانا جائے تو دین اسلام کی شکل ہی کچھ اور ہو جاتی ہے، حلال وحرام کی حدود کا تعین ہی امرِ محال لگنے لگتا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ ﴿الاعراف: ۱۹۴، ۱۹۵﴾

''بے شک جن کو تم پکارتے ہو اللہ کو چھوڑ کر وہ تو بندے ہیں تم ہی جیسے، سو پکارو اُن کو پھر ان کو چاہیے کہ تمہاری مُراد پوری کر دیں اگر تم سچے ہو۔ کیا اُن کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جس سے (وہ کوئی چیز) تھام سکتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں یا اُن کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے کتنے بلیغ انداز میں مُردے کی بے بسی کا ذکر کیا ہے، مگر اس اُمت میں عودِ روح کے نظریے کو ایمان کا حصہ بنانے کے بعد جبکہ مردے کو زندہ کر لیا گیا، تو کسی گروہ نے مردے کے قبر سے نکل کر چلنے اور حاضر وناظر ہونے کا دعویٰ کیا، تو کسی گروہ نے قبر سے ہاتھ نکلنے کا دعویٰ کیا۔ یہاں مردے کو آنکھوں والا جان کر زندوں کے حالات سے باخبر مانا جاتا ہے تو کبھی زندوں سے زیادہ سُننے کی سکت رکھنے والا جان کر اس آیت کو تاویل کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ چونکہ منکر روایت کے ذریعے روح لوٹا دی گئی ہے چنانچہ زندہ اور مردہ کے درمیان تعلق پیدا کرنا ناگزیر ہو گیا ہے، ہر ہر آیت وحدیث کی تاویل اپنے باطل عقیدے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ دیکھا جائے تو مرنے کے بعد عذاب یا راحت اُن مبہم اُمور میں سے ہیں جن کے لیے قرآن وحدیث کا جُزوی مطالعہ کافی نہیں بلکہ تمام دلائل کو یکجا کر کے ہی کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ اُمورِ غیب میں سے ''ایک امر'' ہے کہ جس تک پہنچنے کے لیے زندہ انسان کی رسائی ناممکن ہے۔ اس معاملے کے بہت زیادہ واضح نہ ہونے کی وجہ سے ہی شیطان نے آخری اُمت کو گمراہ کرنے کے لیے اس معاملے کو سہارا بنایا، حالانکہ زبانِ نبوت سے پہلے ہی خبردار کیا جا چکا تھا:

''وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ مِثْلَ اَوْ قَرِيْبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ''۔

(بخاری: کتاب الوضوء، باب من لم يتوضا الامن الغشی......)

''اور یقیناً مجھے وحی کے ذریعے بتلایا گیا ہے کہ تم قبروں کے معاملات میں دجال کے فتنے کی طرح یا دجال کے فتنے کے قریب قریب ایک فتنے میں مبتلا ہو جاؤ گے''۔

اس حدیث کا گو کہ اکثر مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے کہ ''تم عذابِ قبر میں مبتلا کیے جاؤ گے''، لیکن اگر غور کیا جائے اور دجال کے فتنے کے ذکر کو مدِنظر رکھا جائے تو صحیح ترجمہ ویسے ہی ہوگا جیسا کہ کیا گیا۔

معتزلہ نے عذابِ قبر کا انکار کر دیا کیونکہ اُن کی عقول اس بات کو سمجھنے سے عاری تھیں کہ مرنے کے بعد درد ولذت جیسا شعور کیونکر ممکن ہے۔ درحقیقت اُن کے اِس انکار کے پیچھے ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا غلط موقف ہی تھا کہ دنیاوی

گڑھے ہی میں انسانی جسم احساس وشعور کو پالیتا ہے۔فرقۂ ظاہریہ کے نامور عالم ابنِ حزم نے اپنی کتابوں "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" اور "المحلی" وغیرہ میں صرف روح پر عذاب وراحت کو مخصوص کردیا اور یوں بہت سی صحیح احادیث کا انکار کیا۔فرقہ کرّامیہ نے قلیبِ بدر والی روایت کا سہارا لیکر بغیر روح کے صرف دنیاوی جسم پر ہی عذاب وراحت کو مخصوص کردیا جبکہ بغیر روح کے صرف جسم پر عذاب سے نصِ قرآن وحدیث کا سراسر انکار ہورہا تھا۔قرآن وحدیث کے تفصیلی مطالعے سے حقیقت اظہر من الشمس موجود تھی مگر کوئی سمجھنے کو تیار نہ تھا ماسوائے چند لوگوں کے جو قلت کے باعث منظرِ عام پر نہ آسکے یا اہل السنۃ الجماعۃ کے سوادِ اعظم کا شور اُن کا گلا گھونٹتا چلا گیا۔سماع موتی اور عود روح جیسے باطل عقائد کے خلاف انفرادی کوششیں یقیناً رہی ہونگی مگر اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف کوئی معلوم اجتماعیت قائم نہ ہوسکی۔خود "اہل السنۃ والجماعۃ" بہت سے ذیلی فرقوں میں تقسیم ہوتے چلے گئے، ہر فرقے میں خلافِ قرآن وحدیث عقائد شامل ہوتے چلے گئے۔ان تمام فرقوں میں آپس میں بھی اختلافات عروج پر پہنچ گئے جو کہ آج تک جاری وساری ہیں مگر ان میں سے ہر فرقہ اپنے آپ کو ہی اصل اہل السنۃ والجماعۃ کہتا ہے۔ہاں جو بات سب میں مشترک ہے وہ وہی دونوں باطل عقائد یعنی "عقیدہ سماعِ موتی" اور "نظریہ عودِ روح" ہیں۔

سینکڑوں سال بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک مردِ مجاہد نے ان دونوں غلط عقائد کے خلاف اجتماعیت قائم کرکے تمام نام نہاد مسلمانوں کو للکارا۔سماعِ موتی اور عودِ روح کے خلاف قرآن وحدیث سے دلائل یکجا کرکے لوگوں کے سامنے رکھے۔عوام الناس کو پھر اُس راہ گزر سے رُوشناس کرایا کہ جس پر چل کر صحابہ ؓ وثوق سے قیامت کے حوض پر نبی ﷺ سے ملاقات کا ذکر کیا کرتے تھے۔اس اجتماعیت کی بقا کوئی آسان بات نہ تھی، اس کا مقابلہ اہل السنۃ والجماعۃ کے تمام ذیلی فرقوں، روافض کے تمام گروہوں اور معتزلہ کی روش پر چلنے والے تمام منکرینِ حدیث سے بیک وقت تھا۔یہ اجتماعیت ایمانِ خالص کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی لہٰذا شیاطین الجن والانس کی سرگرمیاں بھی اس اجتماعیت کے ایک ایک فرد کے خلاف بڑھتی رہیں۔آج ایمانِ خالص پر مبنی اجتماعیت کی بنیاد ڈالنے والا مردِ مجاہد تو كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے پیشِ نظر اپنے طبعی انجام کو پہنچ چکا ہے مگر بفضلہٖ تعالیٰ "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ" کی مضبوط بنیادوں پر قائم گروہ آج بھی موجود ہے۔اللہ تعالیٰ کی سنت لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ کے مصداق بہت سے ناپاک وجود اس اجتماعیت سے چھٹ گئے ہیں۔یہ وہ لوگ تھے جو کسی نہ کسی طرح شیطان کے وار سے گھائل ہوکر متاثر ہوئے۔جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ شیطان جب بھی کسی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے تو متشابہات کے ذریعے شکوک پیدا کرتا ہے اور پھر یہ شکوک وشبہات خود پسندی، علم کا گھمنڈ، عہدے کی لالچ، انفرادیت کا شوق، عوام الناس میں اچھوتا اندازِ سخن اور بے مثال تحریر وغیرہ جیسے عوامل سے سج دھج کر عوام میں مقبولیت اور یقین کا رُوپ دھار لیتے ہیں۔ایمانِ خالص سے لبریز اس اجتماعیت پر بھی شیطان نے اس طرح کے کئی وار کیے ہیں جس سے متاثر ہوکر وہ لوگ الگ ہوتے چلے گئے الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ کہ جن کے دلوں میں ٹیڑھ تھا۔کوئی اپنے آپ کو احمد بن حنبل کے تقدس سے باہر نہ نکال سکا تو کوئی جادو کے انکار کی بھینٹ چڑھ گیا، کسی کی آنکھوں کو مال وزر نے خیرہ کردیا تو کسی کو بغض وحسد کی آگ نے جلا دیا۔

اللہ کے فضل وکرم سے اس اجتماعیت کے تمام افراد نظریۂ عودِ روح اور عقیدہ سماعِ موتی کا انکار کرکے اللہ تعالیٰ کی صفات "الحی" اور "السمیع" میں شرک کرنے سے بچے ہوئے ہیں مگر مخالفین ہمہ وقت ان کوششوں میں مصروف وسرگرمِ عمل ہیں کہ اس اجتماعیت کے افراد کو انسان کے مرنے کے بعد عذاب یا راحت کے مراحل ومقامات کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کرکے کم از کم تنظیم میں انتشار پیدا کریں۔یہی شکوک وشبہات پیدا ہونے کے بعد آہستہ آہستہ اختلافات کا تناور درخت بنا کرتے ہیں، پھر مخالفت میں انسان پہلے تو مشرکین کا ہم نوا بنتا ہے پھر خود بھی شرک میں مبتلا ہوجاتا ہے۔العیاذ باللہ۔یوں مخالفین کی دلی مراد برآتی ہے کہ "الٰہ" کسی صورت میں بھی ایک نہیں ہونا چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی حالت کو خود واضح کیا ہے:

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ

﴿الزمر: ۴۵﴾

"اور جب ذکر کیا جاتا ہے اکیلے اللہ کا تو اُن لوگوں کے دل بھنچ جاتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب ذکر کیا جاتا ہے اُس (اللہ) کے سوا (معبودوں) کا تو یہ لوگ کِھل اُٹھتے ہیں"۔

بعد الموت عذاب وراحت کے مراحل:

بعد از مرگ عذاب یا راحت کے مراحل ومقامات کے بارے میں قرآن اور صحیح احادیث کی روشنی میں مؤمن کا کیا موقف ہونا چاہیے؟ اسے انسانی زندگی کے تمام ادوار کو کتاب وسنت کے تفصیلی مطالعے کے بعد ہی سمجھا جاسکتا ہے۔کسی بھی موقف کو قائم کرنے سے پہلے ہر مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنے قائم کردہ موقف کو قرآن اور صحیح احادیث کی کسوٹی پر پرکھے کہ کوئی آیت یا حدیث اُس کے موقف کے خلاف تو نہیں ہے گو کہ اُس نے اپنے موقف کو قرآن کی کسی آیت یا کسی صحیح حدیث کی بنیاد پر ہی قائم کیا ہو۔جتنے بھی باطل فرقے اب تک گزرے ہیں سب نے اپنے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کی کچھ آیات اور کچھ صحیح احادیث ہی کا سہارا لیا ہے، چاہے وہ خوارج ہوں، معتزلہ ہوں، جبریہ ہوں، قدریہ ہوں، اسماء وصفات کی تاویل کرنے والے ہوں یا اہل السنۃ والجماعۃ ہی کیوں نہ ہوں۔اسی لیے سب کے عقائد بہت سی آیاتِ قرآنی اور احادیثِ صحیحہ سے متعارض ہیں۔

دیکھیے ! ہر انسان کا تین ادوار سے واسطہ پڑتا ہے، پہلا دور وہ ہے کہ جسے دارالعمل کا نام دیا گیا ہے یعنی "دنیا"، دوسرا دور انسان کی موت کے بعد سے لیکر قیامت تک کا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے "وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ ......" کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ تیسرا اور آخری دور "یوم البعث" اور اُس کے بعد کا ہے، اُسے آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پہلا اور آخری دور بغیر کسی ابہام کے محکم آیات واحادیث کے ذریعے سب پر واضح ہے جبکہ دوسرا دور قرآن وحدیث میں مبہم انداز میں پیش کیا گیا ہے شاید اسی لیے ابلیسِ لعین نے ہمیشہ اِسی دور کے ذریعے بنی نوعِ انسان کی اکثریت کو گمراہ کیا ہے اور اب تک گمراہ کیے جا رہا ہے۔

❁❁❁❁❁

پہلا دور "دنیا"

دنیا میں آنے سے پہلے انسان مُردہ تھا، کالعدم تھا یعنی کچھ نہ تھا جیسا کہ مالک کائنات نے فرمایا "..... كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ..... " ﴿البقرہ: ۲۸﴾ "تم مردہ تھے پس تمہیں زندہ کیا"۔ دوسری جگہ مزید واضح کیا هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿الدھر: ۱﴾ "یقیناً گزرا ہے انسان پر ایک ایسا وقت زمانے میں جبکہ یہ نہ تھا کوئی بھی قابلِ ذکر چیز"۔ اگر کوئی اعتراض کرتا ہے کہ انسانوں کو اموات کی فہرست میں کیونکر شامل کیا جائے جبکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام ذرّیت کو نکال کر پوری نسلِ انسانی سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا ..... اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ..... ؟ ﴿الاعراف: ۱۷۲﴾ "کیا نہیں ہوں، میں تمہارا ربّ؟" تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وصحیح احادیث کے مطالعے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ روح اور جسد عنصری (دنیاوی جسم) کا ملنا "زندگی" ہے اور الگ ہو جانا "موت" (عدم) ہے۔ پیدائش سے پہلے روح کے بے جسم ہونے کی صورت میں "كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ....." "تم سب لوگ مردہ تھے" کے مصداق اگر زندگی نہیں تو موت کے بعد روح کو جسدِ عنصری کے علاوہ کوئی بھی جسم دے دیا جائے پھر بھی اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿الزمر: ۳۰﴾ "بے شک (اے نبی) تم بھی مرنے والے ہو اور بے شک وہ لوگ بھی مرنے والے ہیں" کے پیشِ نظر زندگی نہیں کہلائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیج کر خیر وشر کے دونوں راستے اِلہام کر دیے، جہاں شیطان اور اُس کے چیلوں کو انسانوں کو گمراہ کرنے کی اجازت دی وہیں انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر بذریعہ وحی اس کے لیے رشد وہدایت کا اہتمام کیا، برے انجام سے خبردار اور اچھے انجام کی خوشخبری دی۔ بغیر ایمان کے عملِ صالح کے ہونے یا نہ ہونے، دونوں صورتوں میں ہمیشہ کے لیے جہنم میں جھونکنے کا وعدہ کیا وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴿التوبہ: ۶۸﴾ "وعدہ کیا اللہ نے منافقین ومنافقات اور کفار سے جہنم کی آگ کا کہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے"۔ ایمان کے ساتھ عملِ صالح ہونے کی صورت میں سرمدی راحت کا وعدہ فرمایا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿النساء: ۱۲۴﴾ "اور جو عمل کرے نیک مرد ہو یا عورت جبکہ وہ ایمان والا ہو پس وہ لوگ (یقیناً) داخل کیے جائیں گے جنت میں اور اُن کے ساتھ ظلم نہ ہوگا کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی"۔ ایمان کے ساتھ عملِ صالح کے کم یا نہ ہونے کی صورت میں انجامِ کار تو ان شاء اللہ جنت ہی ہے مگر قیامت کی سختیاں اور عذابِ جہنم کو جھیلنے کے بعد۔ گویا دنیا میں گزاری ہوئی ادنیٰ اور آخرت کے مقابلے میں ناقابلِ ذکر زندگی ہی کو اگلے دونوں ادوار کے لیے بنیاد قرار دیا۔

❁❁❁❁❁

دوسرا دور "ماوراء البرزخ"

چونکہ یہی دور موضوعِ بحث ہے چنانچہ اس کا تفصیلی ذکر ضروری ہے۔ برزخ کا لغوی مفہوم ہے "حاجز بين الشيئين" "دو چیزوں کے درمیان آڑ" (لسان العرب)

اور یہی مفہوم مالکِ کائنات نے اپنی کتاب میں استعمال کیا ہے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ ﴿الرحمن: ۱۹، ۲۰﴾ "جاری کر دیے اُس (اللہ) نے دو دریا جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے یہ دونوں بڑھ نہیں سکتے"۔ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ﴿النمل: ۶۱﴾ "اور دو سمندروں کے درمیان آڑ بنا دی"۔ اسی بات کو سورۃ الفرقان میں بیان فرمایا وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ ﴿الفرقان ۵۳﴾ "اور وہی ہے جس نے جاری کیے ہیں دو دریا (سمندر) یہ میٹھا اور مزیدار ہے اور یہ ہے نمکین کڑوا، اور بنائی ان دنوں کے درمیان آڑ اور منع کرنے والی مضبوط اوٹ"۔

سورۃ المؤمنون میں دنیا میں واپسی کی انسانی درخواست کو رد کرتے ہوئے فرمایا كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗئِلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴿المؤمنون: ۱۰۰﴾۔ "ہرگز نہیں یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے، اور ان کے پسِ پُشت تو برزخ (عبور نہ ہونے والی آڑ) ہے ان کے دوبارہ زندہ کیے جانے کے دن تک"۔

چونکہ لفظ "برزخ" کسی بھی صحیح حدیث میں استعمال نہیں ہوا ہے، لہٰذا اس مقام پر لفظ برزخ کو قرآن ہی کے دیگر مقامات نیز عربی لغات کے مطابق ہی سمجھا جائیگا۔ امام بخاری نے کتاب بدء الخلق کے باب فی النجوم میں، نیز تفسیر سورۃ الرحمٰن میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اقوال کو تعلیقاً بیان کیا ہے۔ جہاں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے برزخ کو حاجب اور حاجز قرار دیا ہے جن کے معنی بالترتیب اوٹ اور آڑ کے ہیں۔ پس ماوراء البرزخ سے مقصود وہ دورانیہ ہے جس کی

ابتدا دنیا میں انسان کی موت اور انتہا یوم البعث، گویا آخری صُور پھونکے جانے کا دن ہے اور اسی لفظ برزخ کو نسبت دیتے ہوئے برزخی زندگی، برزخی دور، برزخی معاملات وغیرہ جیسے مرکب الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں حالانکہ برزخ سے مُراد کوئی مقام ہرگز نہیں ہے۔

اصل حساب کتاب تو قرآن وحدیث کے مطابق قیامت کے دن ہی ہوگا کہ جب تمام انسانوں کو جمع کیا جائیگا اور اُن سب کے مابین تمام معاملات کو نمٹایا جائیگا اور یہی عدل کا تقاضا ہے کہ تمام انسانوں کو روبرو لا کر مَالَهُمْ وَمَا عَلَيْهِمْ ''جو کچھ انھوں نے کمایا اور جو اُنھوں نے گنوایا'' کا فیصلہ کیا جائے۔ مگر مرنے کے بعد ہر انسان کی انفرادی آخرت ضرور شروع ہو جاتی ہے، اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے مجازی طور پر موت کو بھی قیامت سے تعبیر کیا ہے:

''عن عائشة قالت کا ن رجال من الاعراب حفاة یأتون النبی ﷺ فیسأ لونه متی الساعة فکان ینظر الی اصغرهم فیقول ان یعش هذا لا یدرکه الهرم حتی تقوم علیکم ساعتکم''۔

(بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت، مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، قرب الساعة)

''عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ چند بدوی جو ننگے پاؤں نبی ﷺ کے پاس آتے تھے، اُن سے دریافت کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ پس نبی ﷺ ان میں سب سے کم عمر والے کو دیکھ کر فرمانے لگے اگر یہ بچہ زندہ رہا تو اس کے بڑھاپے سے پہلے تم پر تمہاری قیامت آجائیگی''۔

اس ''انفرادی آخرت'' کہ جس کا دورانیہ انسان کی موت اور یوم البعث کے مابین ہے، اسی کو مالکِ کائنات نے ''ماوراء البرزخ'' کا نام دیا ہے۔ اس دورانیے میں جو معاملات موت کے بعد انسانوں کو پیش آتے ہیں انہیں برزخ سے نسبت دیکر ''برزخی معاملات'' کا نام دیا جاتا ہے اور اس دورانیے میں گزرنے والے ایام کو انسان کے مردہ ہونے کے باوجود ''برزخی زندگی'' کہا جاتا ہے۔ اس زندگی میں چونکہ روح کو جسدِ عنصری مہیا نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اسے جسدِ عنصری کی موت سے ہی تصور کیا جائیگا یعنی بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ کے مصداق دنیا میں زندہ لوگ موت کے اس دورانیے میں زندگی کو نہیں محسوس کر سکتے اور اس حالتِ مُردگی میں ماوراء البرزخ ہر انسان کو عذاب (عذاب القبر) یا راحت سے دوچار ہونا ہوتا ہے۔ چونکہ اس مرحلے میں اجتماعی حساب کتاب نہیں ہوتا اس لیے مالک کائنات اپنے علم کی بنیاد پر ہر شخص کا فیصلہ کرتا ہے کہ آیا وہ عذاب کا مستحق ہے یا راحت کا، حالانکہ یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ انسان مرتے ہی یقیناً جنت یا یقیناً جہنم کا حقدار ہو۔ مسلم کتاب العلم میں جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حدیث لائے ہیں :

"قال جاء ناس من الاعراب الی رسول اللہ ﷺ علیهم الصوف فرأی سوء حالهم قد اصابتهم حاجة فحث الناس علی الصدقة فابطئوا عنه حتی رائ ذلک فی وجهه قال ثم آل رجل من الانصار جاء بصرة من ورق ثم جاء آخر ثم تتا بعوا حتی عرف السرور فی وجهه فقال رسول اللہ ﷺ من سن فی الاسلام سنة حسنة فعمل بها بعده کتب له مثل اجر من عمل بها ولا ینقص من اجورهم شیء ومن سن فی الاسلام سنة سیئة فعمل بها بعده کتب علیه مثل وزر من عمل بها ولا ینقص من اوزارهم شیء''۔ (مسلم: کتاب العلم)

"فرمایا کچھ گنوار لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے وہ کمبل پہنے ہوئے تھے نبی ﷺ نے ان کا برا حال دیکھا اور ان کی محتاجی دریافت کی تو لوگوں کو رغبت دلائی صدقہ دینے کی، لوگوں نے صدقہ دینے میں دیر کی یہاں تک کہ اس بات کا رنج اُن کے چہرے پر معلوم ہوا پھر ایک انصاری شخص ایک تھیلی روپیوں کی لے کر آیا پھر دوسرا آیا یہاں تک کہ تانتا بندھ گیا (صدقے اور خیرات کا) نبی ﷺ کے چہرے پر خوشی معلوم ہونے لگی پھر انہوں نے فرمایا جو شخص اسلام میں اچھی بات نکالے (عمدہ بات کو جاری کرے جو شریعت کی رُو سے ثواب ہے) پھر لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں تو اس کو اتنا ثواب ہوگا جتنا سب عمل کرنے والوں کو ہوگا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی اور جو اسلام میں بُری بات نکالے (مثلاً بدعت یا گناہ کی بات) اور لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں تو تمام عمل کرنے والوں کے برابر گناہ اس پر لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کا گناہ کچھ کم نہ ہوگا''۔

اس حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اچھے اور برے اعمال ایسے ہوتے ہیں جو قیامت تک انسان کے حق میں یا اس کے خلاف نامۂ اعمال میں کمی یا بیشی کے موجب ہوتے ہیں لہٰذا اعمال نامے کا وقتِ انتہا رُوئے زمین پر آخری انسان کی موت ہے۔ ایسا بھی ہوگا کہ انسان حقوق اللہ کے پہاڑ جتنے اعمال کے باوجود جہنم میں جھونک دیا جائیگا جیسا کہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''عن ابی هریرة ان رسول اللہ ﷺ قال اتدرون ما المفلس قالوا المفلس فینا من لا درهم له ولا متاع فقا ل ان المفلس من امتی یأتی یوم القیامة بصلاة وصیام وزکاة ویأتی قد شتم هذا وقذف هذا واکل مال هذا وسفک دم هذا وضرب هذا فیعطیٰ هذا من حسنا ته وهذا من حسنا ته فان فنیت حسنا ته قبل ان یقضیٰ ما علیه اُخذ من خطایا هم فطرحت علیه ثم طرح فی النار''۔

(مسلم: کتاب البر والصلة والادب، باب تحریم الظلم)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا مفلس ہم میں وہ ہے جس کے پاس درہم (جیسے روپیہ وغیرہ) اور اسباب نہ ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مفلس میری اُمت میں قیامت کے دن وہ ہوگا جو صلوٰۃ لائے گا اور صوم اور زکوٰۃ، لیکن اس نے دنیا میں ایک کو گالی دی ہوگی دوسرے کو بدکاری کی تہمت لگائی ہوگی تیسرے کا مال کھا لیا ہوگا چوتھے کا خون کیا ہوگا پانچویں کو مارا ہوگا پھر ان لوگوں کو (جن کو اس نے دنیا میں ستایا) اس کی نیکیاں مل جائیں گی اور جو اس کی نیکیاں اس کے گناہ ادا ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کی برائیاں اس پر ڈالی جائیں گی آخر وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا''۔

ظاہر ہے یہ تمام معاملات اجتماعی حساب کتاب میں ہی پورے ہو سکتے ہیں، لہٰذا ایسے کسی شخص کا انفرادی آخرت (برزخی دور) میں عذاب یا

راحت کا مستحق ہونا صرف اور صرف علمِ الٰہی کی بنیاد پر ہوگا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں شامل ہے کہ وہ انسان کی ہر حجت کا جواب دیگا۔ اسی لیے جہنمی کہیں تو فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا ﴿المؤمن: ۱۱﴾ (پس اعتراف کیا ہم نے اپنے گناہوں کے ساتھ) بول کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرینگے تو کہیں اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿الاعراف: ۵﴾ (بے شک ہم تھے ہی ظالم) کہہ کر اپنے آپ کو ظالم گردانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے عدل کا اعتراف کرینگے۔

چونکہ برزخی دور میں اجتماعی حساب کتاب، حقوق العباد کے باہمی معاملات اور تمام مخلوقات کے سامنے اعترافِ جرم جیسے واقعات کا کتاب وسنت میں تبصرہ نہیں ملتا چنانچہ یہ ایک منطقی بات ہے کہ برزخی دور میں انسان پر جو بھی عذاب یا راحت کا سلسلہ گزر رہا ہے اُسے بھلا دیا جائے، تاکہ وہ اپنے ربّ کے سامنے کوئی حجت پیش نہ کر سکے، یہی وجہ ہے کہ سورۂ یٰسٓ میں فرمانِ الٰہی ہے قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ...... ''کہیں گے اے ہماری بربادی کس نے اٹھادیا ہمیں ہماری خوابگاہوں سے''۔ یہاں برزخی دور کو مرقد (خوابگاہ) کہا گیا ہے دنیا البتہ ضرور یاد ہے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿یٰس: ۵۲﴾ ''یہی ہے جس کا وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا (اس بارے میں) رسولوں نے''۔ یعنی قیامت کا آنا رحمٰن کا وعدہ تھا اور رسولوں کی بات مبنی بر حقیقت (بشرطیکہ یہ قول انسانوں کا ہی شمار کیا جائے کیونکہ اس قول کے قائل میں مفسرین میں اختلاف ہے)۔ سورۂ روم میں فرمانِ الٰہی ہے:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿روم: ۵۵﴾ ''اور جس دن برپا ہوگی قیامت قسمیں کھائیں گے مجرم لوگ کہ نہیں ٹھہرے (دنیا میں) ماسوائے ایک گھڑی کے، اسی طرح یہ بہکے ہوئے ہی رہے''۔

اس جگہ بھی تمام مجرمین دنیا ہی کو یاد رکھے ہوئے ہیں کسی کو برزخی دور میں پیش آنے والا عذاب یاد نہیں۔ اسی بات کو اللہ عزوجل نے قرآن میں اور بہت سے مقامات میں بیان فرمایا ہے، مثلاً سورۃ یونس کی آیت: ۴۵، سورۃ الاحقاف: ۳۵ اور سورۃ النازعات کی آیت ۴۶ میں یہی معاملہ اُجاگر کیا گیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اس بات کو اپنے اقوال سے واضح کیا ہے:

''عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال بینما رجل واقف بعرفة اذ وقع عن راحلته فوقصته او قال فأوقصته قال النبی ﷺ اغسلوه بماء وسدر وكفنوه في ثوبين ولا تحنطوه ولا تخمروا رأسه فانه يبعث يوم القيامة ملبيا''۔
(بخاری: کتاب الجنائز، باب الکفن فی ثوبین)

''ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص میدان عرفہ میں (احرام باندھے ہوئے) کھڑا ہوا تھا کہ اپنی سواری سے گر پڑا اور سواری نے اسے کچل دیا یا (و قصة کے بجائے یہ لفظ) ''او قصته'' کہا۔ نبی ﷺ نے (اُس کے لیے) فرمایا کہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دے کر دو کپڑوں میں اسے کفن دو اور یہ بھی ہدایت فرمائی کے اُسے خوشبو نہ لگاؤ اور نہ اُس کا سر چھپاؤ کیونکہ یہ قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اُٹھے گا''۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ شخصِ مذکور کو قیامت کے دن دنیا میں حج کرنا یاد ہوگا بلکہ اپنے تئیں اسے ایسا محسوس ہوگا کہ گویا وہ دورانِ حج ہی سو کر اٹھا ہے پس وہ تلبیہ پڑھنے لگے گا، ماوراء البرزخ کا دورانیہ اُسے قطعاً یاد نہ ہوگا۔ یہ بات منصوبۂ الٰہی کے عین مطابق ہے کہ تمام انسانوں کے اعمال ناموں کے وقتِ انتہا اور اجتماعی حساب کتاب سے پہلے اگر انسان پر مالکِ کائنات نے اپنے علم کی بنیاد پر اُسے عذاب یا راحت سے دوچار کیا ہے تو اُسے قیامت کے دن اجتماعی حساب کتاب سے پہلے یاد نہ دلایا جائے۔ اجتماعی حساب کتاب ہوچکنے کے بعد، حقوق العباد کی ادائیگی کے بعد، جاریہ گناہ یا ثواب کا تسلسل ختم ہونے کے بعد، نیز مجرمین کے اعترافِ جرم اور مؤمنین کے اظہارِ تشکر کے بعد، البتہ برزخی دور کے یاد دلائے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑیگا۔ برزخی دور اُن امورِ غیب میں سے ہے کہ جن میں ابہام ہے، اسی لیے یہ دور (انسان کی موت کے بعد سے لیکر آخری صُور کے پھونکے جانے تک) عموماً بنی نوعِ انسان کی آزمائشوں کا اکھاڑہ رہا ہے۔ اس دور اور اس کے معاملات (عذاب یا راحت) کو مالکِ کائنات نے سورۃ المؤمنون کی آیت نمبر ۱۰۰ کے علاوہ بھی ایک سے زائد جگہ پر اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔

سورۃ المؤمن میں فرمایا:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿المؤمن: ۴۶﴾

''آگ پر پیش کیے جاتے ہیں یہ صبح وشام اور جس دن برپا ہوگی قیامت (تو کہا جائیگا کہ اب) داخل کرو فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں''۔

اس آیت میں واضح طور پر پہلے برزخی دور اور پھر قیامت کے بعد کے دور کا تذکرہ ملتا ہے۔

سورۂ طور میں فرمایا:

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿الطور: ۴۷﴾

''اور بے شک ظالموں کے لیے عذاب ہے اس کے علاوہ بھی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں''۔

سورۃ طٰہٰ میں فرمایا:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿طٰہٰ: ۱۲۴﴾

''اور جو رُوگردانی کرے گا میرے ذکر سے پس یقیناً اُس کے لیے ہے زندگی تنگ اور ہم اٹھائیں گے اُسے روزِ قیامت اندھا''۔

یہاں ''مَـنْ'' عام ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کے ذکر سے اعراض کرے گا۔ چونکہ دنیا میں اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والے بظاہر خوش وخرم جیتے ہیں، دنیا تو ان کے لیے جنت ہے چنانچہ ''مَعِيْشَةً ضَنْكًا'' سے مقصود عذاب القبر میں مبتلا برزخی زندگی ہے اور اس کے بعد قیامت کے دن اٹھائے جانے کا ذکر ہے۔ اگلی آیات میں قیامت کے بعد شدید تر عذاب کا تذکرہ ملتا ہے۔

سورۃ التوبہ میں فرمایا:

سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ

﴿التوبہ: ۱۰۱﴾

''ہم انہیں دو دفعہ عذاب دیں گے پھر وہ بھیجے جائیں گے عذابِ عظیم کی طرف''۔

اِس جگہ دو عذاب اور پھر عذابِ عظیم کا ذکر ہے جس سے مراد تینوں ادوار (دنیا، ماوراء البرزخ اور آخرت) میں منافقین کو پیش آنے والے عذاب کا بیان ہے۔ مرنے کے بعد برزخی دور میں عذاب سے دوچار ہونے کے لیے یہ آیت ایک واضح دلیل ہے، اسی عذاب کو احادیث میں ''عذاب القبر'' سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس عذاب کو موت کا عذاب بھی کہا گیا ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ ﴿بنی اسرائیل: ۷۴، ۷۵﴾

''اور (اے نبی) اگر نہیں رکھتے ثابت قدم ہم آپ کو، تو بہت ممکن تھا کہ آپ ان کی طرف قدرے مائل ہو جاتے تو پھر ہم چکھاتے آپ کو عذاب زندگی میں دہرا اور دہرا ہی موت کا پھر نہیں پاتے آپ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں مددگار''۔

ان آیات میں جہاں نبی ﷺ کی عصمت کو بیان کیا ہے وہیں دراصل انہیں مخاطب کر کے تمام اُمت کو کفار و مشرکین کی طرف مائل ہونے کی صورت میں، زندگی اور موت کے عذاب سے خبردار کیا گیا ہے۔

مرنے کے بعد ماوراء البرزخ (آڑ کے پسِ پشت) دیئے جانے والے عذاب کے علاوہ راحت کو بھی بیان کیا گیا ہے سورۃ آل عمران میں فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ......

﴿آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰﴾

''اور ہرگز نہ سمجھو مُردہ ان لوگوں کو جو قتل کیے گئے اللہ کی راہ میں بلکہ زندہ ہیں وہ اپنے ربّ کے پاس، رزق دیے جاتے ہیں۔ بہت خوش ہیں اللہ کے عطا کردہ فضل سے......''۔

اسی طرح سورۂ واقعہ میں فرمایا:

فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ۝

﴿الواقعۃ: ۸۸، ۸۹﴾

''پس جو ہوگا مقربین میں سے تو اسے راحت ہے اور غذائیں ہیں اور جنت ہے آرام والی''۔

احادیث میں بھی برزخی دور اور اس کے معاملات کو نبی کریم ﷺ نے واضح کیا ہے:

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا تشھد احدکم فلیستعذ باللہ من اربع یقول اللّٰھم انی اعوذبک من عذاب جھنم ومن عذاب القبر ومن فتنۃ المحیا والممات ومن شر فتنۃ المسیح الدجال"۔

(مسلم: کتاب المساجد، ومواضع الصلاۃ، مایستعاذ منہ فی الصلاۃ)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی تم میں سے (صلاۃ میں) تشہد پڑھے تو چار چیزوں سے پناہ مانگے، کہے یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے عذاب سے اور دجّال کے فتنے سے''۔

اس حدیث میں ''عذاب القبر'' سے مقصود برزخی دور اور اُس کا عذاب ہی ہے۔ اور اسی طرح گزشتہ صفحات میں مذکور انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ قرعِ نعال کے آخری حصے میں نبی ﷺ کا فرمان ہے:......

"ثم یضرب بمطرقۃ من حدید ضربۃ بین اذنیہ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ الا الثقلین" (بخاری: کتاب الجنائز۔ باب المیت یسمع خفق النعال)۔

''پھر اُسے لوہے کے ہتھوڑے سے دونوں کانوں کے درمیان ایک زوردار ضرب لگائی جاتی ہے، پس وہ چیختا ہے (اتنے بھیانک طریقے سے) کہ انسان اور جن کے سوا اِردگرد کی تمام مخلوق سنتی ہے''۔

''عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ قال: کان النبی ﷺ إذا صلی صلاۃ، اقبل علینا بوجھہ، فقال من رأی منکم اللَّیلۃ رؤیا قال: فإن رأی أحد قصھا، فیقول: ما شاء اللہ فسألنا یوما فقال: ھل رأی منکم احد رؤیا قلنا لا قال: لکنی رأیت اللَّیلۃ رجلین أتیانی فأخذا بیدی فأخرجانی إلی الأرض المقدسۃ، فإذا رجل جالس، ورجل قائم بیدہ قال بعض أصحابنا عن موسی کلوب من حدید یدخلہ فی شدقہ حتی یبلغ قفاہ، ثم یفعل بشدقہ الآخر مثل ذلک، ویلتئم شدقہ ھذا، فیعود فیصنع مثلہ. قلت: ما ھذا ؟ قالا: انطلق، فانطلقنا، حتی أتینا علی رجل مضطجع علی قفاہ، ورجل قائم علی رأسہ بفھر، أو صخرۃ، فیشدخ بھا رأسہ، فإذا ضربہ تدھدہ الحجر، فانطلق إلیہ لیأخذہ، فلا یرجع إلی ھذا، حتی یلتئم رأسہ، وعاد رأسہ کما ھو، فعاد إلیہ فضربہ، قلت: من ھذا؟ قالا: انطلق، فانطلقنا إلی نقب مثل التنور أعلاہ ضیق وأسفلہ واسع، یتوقد تحتہ نارا، فإذا اقترب ارتفعوا، حتی کادوا أن یخرجوا، فإذا خمدت رجعوا فیھا، وفیھا رجال ونساء عراۃ، فقلت: من ھذا ؟ قالا: انطلق، فانطلقنا، حتی أتینا علی نھر من دم فیہ رجل قائم، علی وسط النھر رجل بین یدیہ حجارۃ قال یزید ووھب بن جریر، عن جریر بن حازم وعلی شط النھر رجل بین یدیہ حجارۃ، فأقبل الرجل الذی فی النھر، فإذا أراد ان یخرج رمی الرجل بحجر فی فیہ، فردہ حیث کان، فجعل کلما جاء لیخرج رمی فی فیہ بحجر، فیرجع کما کان، فقلت: ما ھذا ؟ قالا: انطلق، فانطلقنا، حتی انتھینا إلی روضۃ خضراء فیھا شجرۃ عظیمۃ، وفی أصلھا شیخ وصبیان، وإذا رجل قریب من الشجرۃ، بین یدیہ نار یوقدھا، فصعدا بی الی الشجرۃ، وأدخلانی داراً لم أر قط أحسن وافضل منھا، فیھا رجال شیوخ، وشباب ونساء وصبیان، ثم أخرجانی منھا فصعدا بی الی الشجرۃ، فأدخلانی داراً ھی أحسن وأفضل، فیھا شیوخ

وشباب، فقلت : طوفتماني اللَّيلة، فأخبراني عما رأيت قالا: نعم، أما الذي رأيته يشق شدقه فكذاب، يحدث بالكذبة، فتحمل عنه حتى تبلغ الآفاق، فيصنع مارأيت به إلى يوم القيامة، والذي رأيته يشدخ رأسه، فرجل علمه الله القرآن، فنام عنه باللَّيل، ولم يعمل فيه بالنهار، يفعل به إلى يوم القيامة، والذي رأيته في النقب فهم الزناة، والذي رأيته في النهر آكلوا الربا، والشيخ في أصل الشجرة إبراهيم عليه السلام، والصبيان حوله فأولاد الناس، والذي يوقد النار مالك خازن النار، والدار الأولى التي دخلت دار عامة المؤمنين، وأما هذه الدار فدار الشهداء ، وأنا جبرئيل، وهذا مكيائيل ، فارفع رأسک، فرفعت رأسي، فإذا فوقي مثل السحاب، قالا: ذاک منزلک فقلت دعاني ادخل منزلي قالا انه بقي لک عمر لم تستكمله فلو استكملت اتيت منزلک"

(بخاری ، کتاب الجنائز: باب ماقیل فی اولادالمشرکین)

''سمرۃ بن جندب ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ادائیگیٔ صلوٰۃ (الفجر) کے بعد ہماری طرف منہ کرکے بیٹھ جاتے اور پوچھتے کہ آج رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتو بیان کرو، راوی نے کہا کہ اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ اُسے بیان کردیتا اور نبی ﷺ اسکی تعبیر اللہ کو جو منظور ہوتی بیان فرماتے۔ ایک دن انہوں نے معمول کے مطابق ہم سے دریافت فرمایا کہ آج رات تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ کسی نے نہیں دیکھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا لیکن میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ دو آدمی میرے پاس آئے انہوں نے میرے ہاتھ تھام لیے اور وہ مجھے ارضِ مقدس کی طرف لے گئے وہاں میں نے دیکھا کہ ایک شخص تو بیٹھا ہوا ہے اور ایک شخص کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں (امام بخاری نے کہا کہ) ہمارے بعض اصحاب نے (غالبًا عباس بن فضیل اسقاطی نے موسیٰ بن اسماعیل سے یوں روایت کیا ہے) لوہے کا آنکڑا تھا جسے وہ بیٹھے ہوئے آدمی کے جبڑے میں ڈال کر اُس کے سر کے پیچھے تک چیر دیتا پھر دوسرے جبڑے کے ساتھ بھی اسی طرح کرتا تھا۔ اس دوران میں اس کا پہلا جبڑا صحیح اور اپنی اصلی حالت پر آجاتا اور پھر پہلے کی طرح وہ اُسے دوبارہ چیرتا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ میرے ساتھ کے دونوں آدمیوں نے کہا کہ آگے چلیے چنانچہ ہم آگے بڑھے تو ایک ایسے شخص کے پاس آئے جو سر کے بل لیٹا ہوا تھا اور دوسرا شخص ایک بڑا سا پتھر لیے اس کے سر پر کھڑا تھا، اس پتھر سے وہ لیٹے ہوئے شخص کے سر کو کچل دیتا تھا، جب وہ اس کے سر پر پتھر مارتا تو سر پر لگ کر وہ پتھر دُور چلا جاتا اور وہ اُسے اٹھا کر دوبارہ لے آتا، ابھی پتھر لے کر واپس بھی نہیں آتا تھا کہ سر دوبارہ دُرست ہوجاتا بالکل ویسا ہی جیسے پہلے تھا۔ واپس آکر وہ پھر اُسے مارتا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ ابھی اور آگے چلیے۔ چنانچہ ہم آگے بڑھے تو ایک تنور جیسے گڑھے کی طرف چلے جس کے اوپر کا حصہ تو تنگ تھا لیکن نیچے سے خوب فراخ۔ نیچے آگ بھڑک رہی تھی جب آگ کے شعلے بھڑک کر اوپر کو اٹھتے تو اس میں جلنے والے لوگ بھی اوپر اُٹھ آتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ اب وہ باہر نکل جائیں گے لیکن جب شعلے دب جاتے تو وہ لوگ بھی نیچے چلے جاتے۔ اس تنور میں ننگے مرد اور عورتیں تھیں، میں نے اس موقع پر بھی پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لیکن اس مرتبہ بھی جواب یہی ملا کہ ابھی اور آگے چلیے ہم آگے چلے اب ہم خون کی ایک نہر کے اُوپر تھے، نہر کے اندر ایک شخص کھڑا تھا اور اس کے بیچ میں (یزید بن ہارون اور وھب بن جریر نے جریر بن حازم کے واسطے سے وسط النھر کے بجائے شط النھر یعنی نہر کے کنارے کے الفاظ نقل کیے ہیں) ایک شخص تھا جس کے سامنے پتھر رکھا ہوا تھا، نہر کا آدمی جب باہر نکلنا چاہتا تو پتھر والا شخص اس کے منہ پر پتھر اتنی زور سے مارتا کہ وہ اپنی پہلی جگہ پر چلا جاتا اور اسی طرح جب بھی وہ نکلنے کی کوشش کرتا وہ شخص اس کے منہ پر پتھر اتنی ہی زور سے پھر مارتا کہ وہ اپنی اصلی جگہ پر نہر میں چلا جاتا، میں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابھی اور آگے چلیے چنانچہ ہم اور آگے بڑھے اور ایک ہرے بھرے باغ میں آئے جس میں ایک بہت بڑا درخت تھا اور اس درخت کی جڑ میں ایک بڑی عمر والے بزرگ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ کچھ بچے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ درخت سے قریب ہی ایک شخص اپنے آگے آگ سُلگا رہا تھا وہ میرے دونوں ساتھی مجھے لیکر اس درخت پر چڑھے اس طرح وہ مجھے ایک ایسے گھر میں اندر لے گئے کہ اس سے زیادہ حسین وخوبصورت اور بابرکت گھر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس گھر میں بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے (سب ہی قسم کے لوگ) تھے۔ میرے ساتھی مجھے اس گھر سے نکال کر پھر ایک اور درخت پر چڑھا کر مجھے ایک اور دوسرے گھر میں لے گئے جو نہایت خوبصورت اور زیادہ بہتر تھا۔ اس میں بہت سے بوڑھے اور جوان تھے میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے رات بھر خوب سیر کرائی۔ کیا جو کچھ میں نے دیکھا اس کی تفصیل بھی کچھ بتلاؤ گے؟ انہوں نے کہا ہاں وہ جو آپ نے دیکھا تھا اس آدمی کا جبڑا لوہے کے آنکڑے سے پھاڑا جا رہا تھا تو وہ جھوٹا آدمی تھا جو جھوٹی باتیں بیان کیا کرتا تھا، اس سے وہ جھوٹی باتیں دوسرے لوگ سُنتے، اس طرح ایک جھوٹی بات دور دور تک پھیل جایا کرتی تھی۔ اسے قیامت تک یہی عذاب ہوتا رہے گا۔ جس شخص کو آپ نے دیکھا کہ اس کا سر کچلا جا رہا تھا تو وہ ایک ایسا انسان تھا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا تھا لیکن وہ رات کو پڑا سوتا رہتا اور دن میں اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔ اسے بھی یہ عذاب قیامت تک ہوتا رہے گا اور جنہیں آپ نے تنور میں دیکھا تو وہ زنا کار تھے اور جس کو آپ نے نہر میں دیکھا وہ سُود خور تھا اور وہ بزرگ جو درخت کی جڑ میں بیٹھے ہوئے تھے وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے اردگرد والے بچے لوگوں کی نابالغ اولاد تھی اور جو شخص آگ جلا رہا تھا وہ دوزخ کا داروغہ تھا اور وہ گھر جس میں آپ پہلے داخل ہوئے جنت میں عام مؤمنوں کا گھر تھا اور یہ گھر جس میں آپ اب کھڑے ہیں یہ شہداء کا گھر ہے اور میں جبرئیل ہوں اور یہ میرے ساتھ میکائیل ہیں، اچھا اب اپنا سر اُٹھائیے، میں نے جو سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے اُوپر بادل کی طرح کوئی چیز ہے۔ میرے ساتھیوں نے کہا کہ یہ آپ کا مکان ہے، اس پر میں نے کہا کہ پھر مجھے اپنے مکان میں جانے دو۔ انہوں نے کہا کہ

ابھی آپ کی عمر باقی ہے جو آپ نے پوری نہیں کی اور جب آپ وہ پوری کرلیں گے تو اپنے مکان میں آجائیں گے"۔

اس تفصیلی حدیث میں برزخی دور اور اُس میں عذاب وراحت کے الگ الگ معاملات بیان ہوئے ہیں، فرمانِ نبوی "يفعل به الى يوم القيامة" (اس کے ساتھ یہ قیامت تک ہوتا رہے گا) سے واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ عذابِ مذکور کا یہ دورانیہ مرنے کے بعد سے قیامت کے برپا ہونے تک کا ہے۔

عذاب وراحت کے لیے مقامات کا تعین (جنت یا جہنم)

اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث برزخی دور اور برزخی معاملات (عذاب یا راحت) کو اجاگر کرتی ہیں۔ الغرض کتاب وسنت کے تفصیلی مطالعے، نیز تدبر کے ذریعے نہ صرف ماوراء البرزخ دورانیے کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اس دورانیے میں عذاب یا راحت کی مختلف شکلیں بھی سامنے آتی ہیں، اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ماوراء البرزخ کے دورانیے میں پیش آنے والے معاملات کا ٹھکانہ کون سا ہے؟ چونکہ جائے مقام سے متعلق کچھ اختلافات بھی سامنے آئے ہیں چنانچہ بحیثیت "مسلم" ہمارا فرض ہے کہ اس مسئلے کو قرآن وحدیث کی طرف پلٹائیں، عین فرمانِ الٰہی کے مطابق:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿النساء: ٥٩﴾

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اختیار والوں کی تم میں سے، پس اگر تمہارا تنازعہ ہو کسی بھی چیز میں تو لوٹاؤ اس (تنازعے) کو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تو تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روزِ آخرت پر، یہ بہت بہتر ہے اور بہترین تعبیر ہے"۔

قرآن اس مسئلے پر خاموش نہیں ہے بلکہ جابجا برزخی دور میں جائے راحت اور جائے عذاب کا تعین کرتا ہے۔ شہدائے اُحد کی شان میں مالک سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ قُتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتًۢا ۚ بَلْ أَحْيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ﴿آل عمران: ١٦٩، ١٧٠﴾

"اور ہرگز نہ سمجھو مردہ ان لوگوں کو جو قتل کیے گئے اللہ کی راہ میں بلکہ زندہ ہیں وہ اپنے ربّ کے پاس، رزق دیے جاتے ہیں۔ بہت خوش ہیں اللہ کے عطا کردہ فضل سے"۔

اس آیت میں "عِندَ رَبِّهِمْ" وہ مقام ہے جہاں شہدائے اُحد کو نعمتوں سے نوازا جارہا ہے اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق اللہ کے نبی ﷺ نے اُن کی یہ جائے راحت جنت بتائی ہے۔ اسی طرح سورہ یسٓ میں مذکور جس شخص نے تین رسولوں پر ایمان لاکر قوم کو دعوت دیتے ہوئے اپنی جان دی، بعد از مرگ اس شخص کو بشارت دی جاتی ہے:

قِيلَ ٱدْخُلِ ٱلْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِى يَعْلَمُونَ ﴿یسٓ: ٢٦﴾

"کہا گیا کہ داخل ہو جا جنت میں، کہنے لگا کاش میری قوم جان لیتی"۔

یہاں بھی جائے راحت جنت کو بتلایا گیا ہے۔ سورۃ الواقعہ میں مالک کائنات روح کا جسد عنصری میں دوبارہ لوٹانے کا چیلنج دیتے ہوئے فرماتا ہے:

فَلَوْلَآ إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝ تَرْجِعُونَهَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۝ فَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ۝ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿الواقعہ: ٨٦، ٨٩﴾

"پس اگر تم روزِ جزا کو نہیں مانتے تو (تو کسی مرنے والے کی حلق تک پہنچی) روح کو لوٹا کر دکھاؤ! اگر تم سچے ہو۔ پس اگر وہ (مرنے والا) مقربین میں سے ہوگا تو اُسے راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے"۔

اس جگہ بھی ماوراء البرزخ دورانیے میں نیکوکاروں کے لیے جنت ہی کا تعین ہوتا ہے۔

مذکورہ آیات کے پیش نظر اگر کوئی یہ سوال اٹھاتا ہے کہ انبیاء، شہداء اور مقربین وغیرہ کو تو مرتے ہی جنت ملے گی مگر ہر نیکوکار کے مرنے کے بعد اُس کی جائے راحت کا تعین جنت نہیں کیا جاسکتا، یہ استثناء قائم کرنا قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر کی آخری آیات میں ہر نفسِ مطمئنہ کو مخاطب کر کے کہا ہے:

يَٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ٱرْجِعِىٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَٱدْخُلِى فِى عِبَٰدِى ۝ وَٱدْخُلِى جَنَّتِى ﴿الفجر: ٢٧ تا ٣٠﴾

"اے مطمئن روح، لوٹ چل اپنے ربّ کی طرف اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش، پس داخل ہو جا میرے خاص بندوں میں، اور داخل ہو جا میری جنت میں"۔

اسی طرح سورۂ حمٓ سجدہ میں ہر صاحبِ استقامت مؤمن کے لیے مرتے ہی جنت کی بشارت کا ذکر آتا ہے:

إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُوا۟ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسْتَقَٰمُوا۟ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا۟ وَلَا تَحْزَنُوا۟ وَأَبْشِرُوا۟ بِٱلْجَنَّةِ ٱلَّتِى كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿حمٓ سجدہ: ٣٠﴾

"یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے پھر وہ (اس کہے پر) قائم رہے، نازل ہوتے ہیں ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) کہ نہ ڈرو اور نہ ہی غم کرو، اور بشارت سن لو اس جنت کی کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا"۔

فرشتوں کے نازل ہونے سے یہ بات واضح ہے کہ یہ بشارت جانکنی کے وقت مؤمن کو دی جارہی ہے۔ سورۃ النحل میں تمام مؤمنین کے لیے صراحت موجود ہے

ٱلَّذِينَ تَتَوَفَّىٰهُمُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَٰمٌ عَلَيْكُمُ ٱدْخُلُوا۟ ٱلْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿النحل: ٣٢﴾

''وہ لوگ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے پاک حالت میں کہتے ہیں سلامتی ہو، تم پر داخل ہو جاؤ جنت میں بسبب ان اعمال کے جو تم کیا کرتے تھے''۔

احادیث میں بھی موت کے بعد مؤمنین کے لیے جنت ہی کو جائے راحت قرار دیا گیا ہے چاہے ان کا شمار انبیاء، شہداء اور مقربین میں سے ہو یا عام مؤمنین میں سے ہو۔

صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''کان رسول اللہ ﷺ وھو صحیح یقول انه لم یقبض نبی قط حتی یریٰ مقعدهٗ من الجنة ثم یحیّٰ اویخیّر ''۔

(کتاب المغازی : باب مرض النبی ﷺ)

''رسول اللہ ﷺ تندرستی کے زمانے میں فرمایا کرتے تھے کہ یقیناً کسی بھی نبی کی روح قبض نہیں کی جاتی جب تک کہ دکھادی جائے اُس کو اُسکی قیام گاہ جنت میں، پھر اُسے اختیار دیا جاتا ہے''۔

اس حدیث میں واضح طور پر اس امر کو بیان کیا گیا ہے کہ ہر نبی کو موت سے پہلے جنت میں اُس کی جائے راحت دکھائی جاتی ہے، پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے کہ ''موت'' یعنی جنت میں دخول کو اختیار کرے یا ''زندگی'' یعنی جنت کے مقابلے میں سڑی بسی دنیا میں مزید قیام۔

سورۃ آل عمران کی آیت : ۱۶۹ کی ذیل میں شہدائے اُحد کی حیاتِ اُخروی کو امام مسلم نے مسروق کی روایت لاکر بیان کیا ہے :

''عن مسروق قال سألنا عبداللہ عن ھذه الآیة وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ قال اما انا قدسألنا عن ذلک فقال أرواحهم فی جوف طیر خضر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت ......''

(مسلم : کتاب الامارة : باب بیان ان ارواح الشهداء فی الجنة)

''مسروق سے روایت ہے کہا کہ ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ عبداللہ نے کہا کہ ہم نے اس آیت کا پوچھا تھا رسول اللہ ﷺ سے پس انہوں نے فرمایا کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں (اُن) قندیلوں کے اندر موجود ہیں جو عرش سے لٹک رہی ہیں، (روحیں سبز پرندوں کے قالب میں) گھومتی پھرتی ہیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں............''۔

اسی طرح بخاری میں حدیثِ حارثہ میں نبی ﷺ کا حارثہ رضی اللہ عنہ کی والدہ سے یہ کہنا:

'' ویحکِ اوھبلتِ او جنة واحدة ھی انها جنان کثیرة وانه لفی جنة الفردوس ''

(بخاری : کتاب الرقاق، صفة الجنة والنار)

''افسوس کیا تم پاگل ہوگئی ہو، کیا صرف ایک ہی جنت ہے؟ یقیناً جنتیں تو بہت ہیں اور وہ (حارثہ رضی اللہ عنہ) تو جنت الفردوس میں ہے''۔

یہاں بھی حارثہ رضی اللہ عنہ کو بعداز قیامت نہیں بلکہ وقتِ حاضر میں جنت الفردوس میں بتایا گیا ہے۔ اس کو عموماً مانا تو جاتا ہے لیکن بطور استثنا کے، جبکہ اسے استثنا ماننے کی کوئی دلیل نہیں دی جاسکتی۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

'' عن النبی ﷺ قال لما مات ابراهیم قال ان له مرضعًا فی الجنة ''۔

(بخاری :کتاب بدء الخلق ، باب ماجاء فی صفة الجنة)

''نبی ﷺ سے روایت ہے فرمایا جب ابراہیم ؓ (نبی ﷺ کے بیٹے) کی وفات ہوئی فرمایا کہ بے شک اس کے لیے دودھ پلانے والی ہوگی جنت میں''۔

ابراہیم ؓ کی وفات کے وقت وہ چونکہ حالتِ رضاعت میں تھے لہٰذا وہ خود تو جنت میں ہیں ہی، علاوہ ازیں ان کی تکریم کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی کا بھی تقرر رحمتِ الٰہی سے کیا گیا ہے۔

''عن ابی هریرة ان عمرو بن اقیش کان له رِبًا فی الجاهلیة فکره ان یسلم حتی یأ خذه فجاء یوم احد فقال این بنو عمی قالوا باحد قال فأ ین فلان قالوا بأحد قال فأ ین فلان قالوا بأ حد فلبس لأ ملته ورکب فرسه ثم توجه قبلهم فلمارآه المسلمون قالوا الیک عنّا یا عمرو قال انی قد آمنت فقاتل حتی جرح فحمل الی اهله جریحا فجاءه سعد بن معاذ فقال لأ خته سلیه حمیة لقومک اوغضبًا لهم أم غضبًالِلّٰهِ فقال بل غضبًالِلّٰهِ ولرسوله فمات فدخل الجنة وما صلیٰ لِلّٰهِ صلاة ''۔

(سنن ابوداؤد ، کتاب الجهاد ، باب فیمن یسلم ویقتل مکانه فی سبیل اللّٰه)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمرو بن اقیش کو زمانۂ جاہلیت کا سود لینا تھا اس لیے انہوں نے اس کی وصولیابی سے پہلے اسلام لانا پسند نہ کیا پھر وہ جنگِ اُحد کے دن آئے اور پوچھا میرے چچا کے بیٹے کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا اُحد میں انہوں نے پوچھا کہ فلاں کہاں ہے، لوگوں نے کہا اُحد میں انہوں نے پوچھا کہ فلاں کہاں ہے، لوگوں نے کہا اُحد میں پس انہوں نے زِرہ پہنی اور گھوڑے پر سوار ہوئے اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے جب مسلمانوں نے ان کو دیکھا تو کہا ہم سے الگ رہو! انہوں نے کہا میں ایمان لا چکا ہوں پھر انہوں نے قتال کیا یہاں تک کہ زخمی ہوگئے اور زخمی حالت میں گھر پہنچائے گئے وہاں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور ان کی بہن سے کہا کہ ذرا ان سے پوچھو کہ (تم کیوں لڑے؟) اپنی قوم کی طرف داری میں یا اس وجہ سے کہ تمہیں ان پر کسی وجہ سے غصہ تھا یا اللہ کے غضب سے ڈر کر؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غضب سے ڈر کر یہ قدم اٹھایا۔ اس کے بعد ان کی وفات ہوگئی اور مرتے ہی جنت میں داخل ہوئے حالانکہ انہوں نے ایک صلوٰۃ بھی ادا نہ کی تھی''۔

اس روایت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی اعتقاد سامنے آتا ہے کہ مؤمن مرتے ہی جنت میں داخل ہوجاتا ہے ''فدخل الجنة '' میں ''ف'' کا استعمال جنت میں فوراً ہی داخلے کی طرف دلالت کرر ہا ہے۔

'' عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال لقد رأیت رجلاً یتقلّب فی الجنة فی شجرة قطعها من ظهر الطریق کانت تؤذي الناس''۔

(مسلم : کتاب البروالصلة والآداب ، باب فضل ازالة الاذی عن الطریق)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایک شخص کو مزے اڑاتے دیکھا بسبب ایک درخت کے جس کو اس نے کاٹا تھا بیچ راستے سے جس سے تکلیف ہوتی تھی لوگوں کو''۔

دیکھیے ! اس حدیث میں مذکور شخص کا ذکر نبی ﷺ ماضی کے صیغے سے کرتے ہوئے اُسے جنت میں بیان کر رہے ہیں۔

گزشتہ احادیثِ مبارکہ میں تمام مؤمنین کا بعد از مرگ جنت میں راحت پانا ثابت ہوتا ہے، پھر بھی اگر کوئی مُصر ہے کہ برزخی دور میں ہر قسم کے مؤمن کا جنت میں ہونا ضروری نہیں تو ایسی صورت میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث حرفِ آخر ہے جسے امام مالک نے مؤطا میں اور امام نسائی نے اپنی سُنن میں بیان کیا ہے:

"کعب بن مالک کان یحدّث عن رسول الله ﷺ قال انما نسمة المؤمن طائر فی شجر الجنة حتی یبعثه الله عزوجل الی جسده یوم القیامة"

(موطا امام مالک: کتاب الجنائز، باب جامع الجنائز، سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب ارواح المؤمنین، اس کے علاوہ سنن ابن ماجه، مسند احمد، صحیح ابن حبان، المعجم الکبیر للطبرانی اور مسند ابی داؤد الطیالسی وغیرہ میں بھی یہ روایت بیان کی گئی ہے)۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

"کہ بے شک مؤمن کی جان پرواز کرتی رہے گی جنت کے درختوں پر حتیٰ کہ اُسے بھیج دے گا اللہ عزوجل اُس کے جسم کی طرف قیامت کے دن"۔

اس روایت میں نبی ﷺ نے صراحتاً ہر مؤمن کی روح کا مقام "جنت" قرار دیا ہے، حدیث کے آخری الفاظ واضح کرتے ہیں کہ یہ معاملہ قیامت تک کا ہے گویا "ماوراء البرزخ" دورانیہ ہی مقصود ہے۔

جس طرح قرآن وحدیث میں مؤمن کے مرنے کے بعد اسکی جائے راحت کا تعین ہوتا ہے اسی طرح ہر غیر مؤمن یا گناہ گار مؤمن کو مرنے کے بعد جس عذاب سے واسطہ پڑیگا، اس عذاب کے مقام کا تعین بھی قرآن اور صحیح احادیث میں واضح طور پر ہوتا ہے۔ گو کہ عذاب کا معاملہ راحت سے مختلف ہے، راحت کے سلسلے میں انبیاء، شہداء، صدیقین، مقربین وغیرہ میں درجہ بندی کی وجہ سے استثناء کا سوال اٹھتا ہے، اسی لیے تقریباً ہر درجے کے مؤمن کو مرنے کے بعد ملنے والے مقام سے متعلق نصوصِ صریحہ کو دلائل کے طور پر پیش کیا گیا، جبکہ مقامِ عذاب سب کے لیے جہنم ہی بتایا گیا ہے، مگر اس کے باوجود قرآن اور صحیح احادیث میں سے مختلف درجوں کے کفار اور گناہ گار مؤمنین کو مرنے کے بعد ملنے والے مقام کے متعلق بہت سے دلائل پیش کیے جارہے ہیں تا کہ حجت تمام ہو اور جو مرے وہ حق جان کر مرے اور جو جیے وہ حق جان کر جیے۔ سورۂ مؤمن میں آلِ فرعون کے لیے مالکِ کائنات کا فرمان ہے:

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ﴿مؤمن: ۴۶﴾

"آگ ہے، جس پر پیش کیے جاتے ہیں صبح وشام"۔

سورۂ نوح میں قومِ نوح کے نافرمانوں پر عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمانِ الٰہی ہے:

مِمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا ﴿نوح: ۲۵﴾

"یہ سبب اپنے گناہوں کے ڈبو دیے گئے پس جہنم میں پہنچا دیے گئے"۔

واضح رہے کہ ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے گویا اس وقت بھی وہ جہنم میں ہیں۔ سورۂ تحریم میں نوح ولوط علیہما السلام کی کافرہ بیویوں کو جہنم میں داخلے کا حکم بمعہ دیگر جہنمیوں کے دے دیا گیا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ ﴿التحریم: ۱۰﴾ "اور کہا گیا کہ تم دونوں داخل ہو جاؤ دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ"۔

سورۃ الانعام میں ظالموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿الانعام: ۹۳﴾

"اور (اے نبی) کاش آپ دیکھیں جب یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائیگا اس سبب سے کہ تم کہا کرتے تھے اللہ کے لیے ناحق باتیں اور تم اللہ کی آیات سے تکبر کرتے تھے"۔

سورۃ الواقعہ میں جسدِ عنصری سے روح کے اخراج کا ذکر کر کے فوراً ہی جہاں مؤمنین کو جنتوں کی بشارت دی ہے وہیں جھوٹے اور گمراہوں کے لیے جہنم کی مہمان نوازی کو طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے:

وَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ۝ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ۝ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿الواقعہ: ۹۲ تا ۹۴﴾

"لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں، گمراہوں میں سے ہے تو مہمانی ہے کھولتے ہوئے گرم پانی کی، اور واصل ہونا ہے جہنم میں"۔

جو لوگ مرنے کے بعد جائے عذاب کے جہنم کے ہونے میں شک میں مبتلا ہیں وہ مذکورہ تین آیات کے بعد والی آیت میں ضرور غور کریں مالک فرماتا ہے:

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿الواقعہ: ۹۵﴾

"یعنی یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے"۔

سورۃ الانفال میں تمام کفار کی موت کے وقت اُنہیں عذاب الحریق سے دوچار کیے جانے کا تذکرہ ہے:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿الانفال: ۵۰﴾

"(اے نبی) کاش کہ آپ دیکھتے جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے، مارتے ہیں اُن کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کہتے ہوئے) اور چکھو عذاب آگ کا"۔

سورۃ النحل میں ظالموں کی جان نکالتے ہوئے فرشتوں کا اُنہیں جہنم میں داخل ہونے کے لیے کہنا صراحت کے ساتھ موجود ہے:

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِن سُوءٍ ۚ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ﴿النحل: ۲۸ تا ۲۹﴾

''(جب) ان لوگوں کی جانیں نکالتے ہیں فرشتے جو ظلم کرتے ہیں اپنی جانوں پر، تو وہ صلح کا انداز اختیار کرتے ہیں کہ ہم برائی نہیں کرتے تھے۔ کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کرتے تھے، پس اب تو داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ اُس میں رہتے ہوئے''۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ حرف ''ف'' عطف اور ترتیب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، پس اس آیت میں '' فادخلوا '' بعد از موت جہنم میں داخلے کے لیے کہا گیا ہے نہ کہ قیامت کے بعد۔

قرآن ہی کی طرح احادیث میں بھی کفار اور گنہگار مؤمنین کے لیے موت کے فوراً بعد جہنم میں عذاب پانے کی صراحت موجود ہے:

'' عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال دخلتْ امرأة النار فی هِرّة ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تأكل من خشاش الارض '' ۔

(بخاری : کتاب بدء الخلق ، باب خمس من الدواب فواسق یقتلن ، مسلم عن ابی هریره ، کتاب السلام ، باب تحریم قتل الهِرّة)

''ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا داخل ہوگئی ایک عورت دوزخ میں بسبب ایک بلی کے، اُس نے بلی کو باندھ دیا پس نہ تو بلی کو خود خوراک دی اور نہ ہی اُسے چھوڑا کہ کھالے حشرات الارض''۔

حدیثِ مذکور میں عورت آگ میں داخل ہوچکی ہے وہ قبر میں قیامت کے بعد آگ میں داخل ہونے کی منتظر نہیں ہے۔ صحیح مسلم، کتاب الکسوف میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تفصیلی روایت میں یہ بات واضح ہے کہ نبی ﷺ نے دوران صلاۃ الکسوف جنت اور جہنم کو بعینہٖ دیکھا اور جہنم میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو بلی کو ستانے کے جرم میں آگ میں عذاب پاتے دیکھا، یعنی وہ عام آگ نہیں بلکہ جہنم کی آگ ہے جہاں مذکورہ عورت کو عذاب دیا جارہا تھا پس اس سے نہ صرف عذاب بلکہ مقام کا بھی تعین ہوتا ہے۔

بغیر ایمان کے موت سے ہمکنار ہونے والوں کے لیے وقتِ حاضر میں ان کا جہنم میں ہونا حدیثِ ذیل سے بھی واضح ہوتا ہے:۔

''عن انس ان رجلاً قال یارسول اللہ این ابي قال '' فی النار '' فلما قفی دعاه فقال '' ان ابي و اباک فی النار ''۔

(مسلم : کتاب الایمان ، باب بیان ان من مات علی الکفر فهو فی النار)

''انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اے رسول اللہ میرا باپ کہاں ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا جہنم میں تو وہ پلٹ کر جانے لگا (اداسی کی حالت میں) نبی ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ یقیناً میرا باپ اور تیرا باپ جہنم میں ہیں''۔

قلیبِ بدر کی جملہ روایات میں سے ایک روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

'' انما قال انهم الآن لیعلمون ان ماکنت اقول لهم حق ثم قرات '' اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى '' '' وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ '' تقول حین تبوؤا مقاعدهم من النار ''

''نبی ﷺ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ اب انہیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان میں سے جو کہتا رہا تھا وہ حق تھا۔ پھر انہوں نے تلاوت کی کہ (اے نبی) آپ یقیناً نہیں سنا سکتے مُردوں کو ﴿النمل: ۸۰﴾ ۔ اور ''نہیں آپ سنانے والے ان کو جو قبروں میں ہیں ﴿فاطر: ۲۲﴾ ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ (نبی ﷺ ان مُردوں کو نہیں سنا سکتے) جو اپنا ٹھکانہ اب جہنم میں پاچکے ہیں''۔

اِس روایت سے بھی واضح ہوا کہ مقتولینِ بدر جہنم میں اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے نہ کہ انہیں قبر یا کسی اور مقام میں قیامت تک کیلئے جہنم میں داخلے کے انتظار میں مُعلّق رکھا گیا ہے۔

'' عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ لا یحل لمسلم ان یهجر اخاه فوق ثلاث فمن هجر فوق ثلاث فمات دخل النار''۔

(ابوداؤد ، کتاب الا داب ، باب فیمن یهجراخاه المسلم)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں ہے جائز کسی مسلم کے لیے کہ اپنے بھائی (مؤمن) سے ناراض ہو تین دن سے زیادہ، پس جو ناراض ہوا تین دن سے زائد اور مرگیا تو وہ آگ میں داخل ہوگیا''۔

اس روایت میں گنہگار مؤمن کے مرنے کے بعد جائے عذاب کا تعین کیا گیا ہے، اسی طرح ایک اور گناہ گار مؤمن کے لیے امام مسلم روایت لائے ہیں:

'' عن عبداللہ بن عباس قال حدثنی عمر بن الخطاب قال لما کان یوم خیبر اقبل نفر من صحابة النبی ﷺ فقالوا فلان شهید وفلان شهید حتی مرّوا علی رجل فقالوا فلان شهید ، فقال رسول اللہ ﷺ کلّا انی رأیته فی النار فی بردة غلّها اوعباءة''۔

(مسلم : کتاب الایمان ، باب غلظ تحریم الغلول)

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حدیث بیان کی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب خیبر کا دن ہوا تو آئے نبی ﷺ کے کئی صحابہ اور کہنے لگے فلاں شہید ہے اور فلاں شہید ہے یہاں تک کہ گزرے ایک شخص پہ تو کہا یہ شہید ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے دیکھا ہے اس کو جہنم میں ایک چادر یا عبا کی چوری میں''۔

''عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ رأیت جهنم یحطم بعضها بعضا ورأیت عمراً یجر قصبه وهو اول من سیب السوائب ''۔

(بخاری : کتاب تفسیر القرآن ، سورة المائدة)

''عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میں نے دیکھا جہنم کو اس کے بعض حصے دوسرے بعض حصوں کو کھائے جارہے ہیں اور میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا گھسیٹتے ہوئے اپنی آنتوں کو، یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے جانور چھوڑے''۔

اس روایت میں واضح طور پر نبی ﷺ کا جہنم کو دیکھنا اور پھر جہنم میں عمرو بن لحی کو مبتلائے عذاب دیکھنا، کیا ثابت نہیں کرتا کہ:

اولاً: مرنے کے بعد عذاب دنیاوی گڑھے میں نہیں ہوتا۔

ثانیاً: ماوراء البرزخ دورانیے میں عذاب دیے جانے کی جگہ ''جہنم'' ہے۔

صحیح مسلم میں ابو طالب کے انجام سے متعلق ایک حدیث یوں مروی ہے:

'' عن عبداللہ بن الحارث قال سمعت العباس یقول قلت یا رسول اللہ ان اباطالب کان یحوطک وینصرک فهل نفعه ذلک قال نعم وجدته فی غمرات من النار فاخرجته الی ضحضاح ''۔

(مسلم: کتاب الایمان ، باب شفاعة النبی ﷺ لأبی طالب والتخفیف عنه بسببه)

''عبداللہ بن الحارث کہتے ہیں میں نے سنا عباس رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے تھے میں نے

کہا یا رسول اللہ ابو طالب آپ کا بچاؤ کرتا تھا اور آپ کی مدد کرتا تھا تو کیا فائدہ ہوا اُسے ان باتوں کے سبب، نبی ﷺ نے فرمایا ہاں پایا میں نے اُسے غوطہ زن آگ کی گہرائیوں میں تو نکال لایا اُس کو ٹخنوں کی آگ تک''۔

یہ حدیث ابو طالب کے موجودہ مقام کی وضاحت کرتی ہے، واضح رہے کہ ابو طالب کے عذاب میں تخفیف ضرور ہوئی ہے مگر جہنم میں ہمیشگی سے اُس کی خلاصی ممکن نہیں ہے۔ جنت کے درجوں کی طرح جہنم کے بھی درجے ہیں سب سے کم درجے کا عذاب جن لوگوں کو ہوگا اُن میں ابو طالب بھی شامل ہے اور شدید ترین عذاب منافقین کو ہوگا جس کے ثبوت کے لیے فرمانِ الٰہی کافی ہے:

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴿نساء: ۱۴۵﴾

''یقیناً منافقین ہونگے نچلے درجے میں دوزخ کے''۔

چونکہ جہنم میں دیے جانے والے اس عذاب کو نبی ﷺ نے ''عذاب القبر'' کہا ہے لہٰذا اس ظاہری لفظ کو بنیاد بنا کر اہل السنۃ والجماعۃ نے دنیاوی گڑھے کو ہی جائے عذاب سمجھا ہوا ہے حالانکہ ''ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' کے پیشِ نظر ہر مرنے والے کو قبر کا ملنا مالک کی سنت میں شامل ہے جبکہ قومِ نوح سمیت دنیا میں بہت سے لوگوں کو دنیاوی گڑھا بحیثیت قبر نہیں ملتا، تو کیا ایسے لوگ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک عذاب القبر سے مستثنیٰ ہیں؟ اگر قرآن کی کسی آیت یا صحیح حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حق ان کی زبان سے نکل بھی جاتا ہے تو اگلے ہی لمحے تاویل کر دی جاتی ہے مثلاً سورۃ النحل کی آیت ۲۹ کے ذیل میں تفسیر کچھ اس انداز سے کی جاتی ہے۔

''امام ابن کثیر فرماتے ہیں ان کی موت کے فوراً بعد ان کی روحیں جہنم میں چلی جاتی ہیں اور ان کے جسم قبر میں رہتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے جسم و روح میں بُعد کے باوجود ان میں یک گونہ تعلق پیدا کر کے ان کو عذاب دیتا ہے (اور صبح و شام ان پر آگ پیش کی جاتی ہے) پھر جب قیامت برپا ہوگی تو ان کی روحیں ان کے جسموں میں لوٹ آئیں گی اور ہمیشہ کے لیے یہ جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے''۔ (تفسیر احسن البیان)

ایسا کرنا علماء کی مجبوری ہے کیونکہ دنیاوی قبر سے روح اور عذاب و راحت کی لاتعلقی سے ان کے اکابر کے عقائد پر حرف آئے گا لہٰذا ان کے لیے حقیقت پر پردہ ڈال کر خود کو قافلۂ اہل سنت والجماعۃ کا فرد سمجھنا، حق بیان کرنے سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ موت سے قیامت تک کا عذاب اور قیامت کے بعد اجتماعی حساب کتاب کے بعد کا عذاب دونوں کا مقام تو جہنم ہی ہے مگر دونوں طرح کے عذاب میں فرق کو اجاگر کرنے کے لیے اول الذکر کو عذاب القبر اور مؤخر الذکر کو دائمی عذاب النار یا عذابِ جہنم سے موسوم کیا گیا ہے۔

''عن ابی هريرة ؓ قال كان رسول الله ﷺ يدعو اللّٰهم انی اعوذبك من عذاب القبر ومن عذاب النار ومن فتنة المحيا والممات ومن فتنة المسيح الدجال''۔

(بخاری: کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر)

ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے ''اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے اور زندگی اور موت کی آزمائشوں سے اور مسیح دجال کی آزمائش سے''۔

اس حدیث میں عذاب القبر سے مقصد مرنے کے بعد سے قیامت تک کا جہنم میں نسبتاً ہلکا عذاب ہے اور دائمی عذاب النار سے مقصد قیامت کے بعد سے جہنم میں دیا جانے والا اشد یدعذاب ہے (جیسا کہ سورۃ المؤمن: ۴۶ سے ثابت ہے)۔ مختلف طُرق سے روایت کردہ اس حدیث میں عذابُ النّار کے علاوہ عذابِ جہنم کے الفاظ بھی مروی ہیں۔

اسماء ؓ فرماتی ہیں '' اتيتُ عائشة زوج النبی ﷺ حين خسفت الشمس فاذا الناس قيام يصلُّون واذا هي قائمة تصلي فقلت ما للناس فاشارت بيدها نحو السماء وقالت سبحان الله فقلت آية فأشارت اي نعم فقمت حتى تجلاني الغشي وجعلت اصب فوق رأسي ماء فلما انصرف رسول الله ﷺ حمد الله واثنى عليه ثم قال مامن شئ كنت لم اره الا قد رأيته في مقامي هذا حتى الجنة والنار ولقد اوحى الى انكم تفتنون في القبور مثل او قريبا من فتنة الدجال......''۔

(بخاری: کتاب الوضوء، باب من لم یتوضأ الامن الغشی.....)

''میں رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ عائشہ ؓ کے پاس ایسے وقت آئی جبکہ سورج کو گہن لگ چکا تھا اور لوگ کھڑے ہو کر صلوٰۃ ادا کر رہے تھے اور وہ بھی کھڑے ہو کر صلوٰۃ ادا کر رہی تھیں تو میں نے کہا لوگوں کو کیا ہوگیا ہے تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا ''سبحان اللہ'' میں نے کہا کیا یہ کوئی خاص نشانی ہے تو انہوں نے اشارے سے کہا ہاں تو میں بھی صلوٰۃ کے لیے کھڑی ہوگئی، (طویل قیام کی وجہ سے) مجھ پر غشی طاری ہونے لگی اور میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ جب رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ سے فارغ ہوئے تو اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا آج کوئی چیز ایسی نہیں رہی جس کو میں نے اپنی اسی جگہ نہ دیکھ لیا ہو حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھ لیا اور مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے کہ تم لوگوں کو قبروں کے معاملات میں آزمایا جائیگا دجال جیسی آزمائش یا اس کے قریب قریب''۔

نبی ﷺ کا جنت و دوزخ کے تذکرے کے بعد قبروں کی آزمائش کا ذکر کرنا اس بات کی طرف دلالت کرتا ہے کہ مرنے کے بعد راحت یا عذاب جنت یا دوزخ میں ہی ہوتا ہے یعنی عذاب القبر کا مطلب دنیاوی قبر میں عذاب نہیں بلکہ برزخی مقامات کی عارضی جائے مستقر بمعنی ''قبر'' میں عذاب کا دیا جانا مراد ہے۔

عذاب القبر کی جہنم سے نسبت، مسلم کی درج ذیل روایت سے مزید واضح ہوتی ہے:

''عن عمرة ان يهودية اتت عائشة تسألها فقالت اعاذكِ الله من عذاب القبر قالت عائشة فقلت يا رسول الله يعذب الناس في القبور قالت عمرة فقالت عائشة قال رسول الله ﷺ عائذا بالله ثم ركب رسول الله ﷺ ذات غداة مركبا فخسفت الشمس قالت عائشة فخرجت في نسوة بين ظهري الحجر في المسجد فاتى

رسول الله ﷺ من مركبه حتى انتهى الى مصلاه الذى كان يصلى فيه فقام وقام الناس وراءه قالت عائشة فقام قياماً طويلاً ثم ركع فركع ركوعا طويلا ثم رفع فقام قياماً طويلاً وهو دون القيام الاول ثم ركع فركع ركوعا طويلا وهودون ذلک الركوع ثم رفع وقد تجلت الشمس فقال " انى قد رأيتكم تفتنون فى القبور كفتنة الدجال قالت عمرة فسمعت عائشة تقول فكنت اسمع رسول الله ﷺ بعد ذلک يتعوذ من عذاب النار وعذاب القبر "۔

(مسلم :كتاب الكسوف: باب ذكر عذاب القبر)

''عمرہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرنے لگی اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو عذاب قبر سے بچائے، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا لوگوں کو قبروں میں عذاب ہوگا؟ عمرہ نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پناہ اللہ کی۔ پھر سوار ہوئے رسول اللہ ﷺ ایک دن صبح کو ایک سواری پر اور سورج گرہن ہوا فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ میں بھی نکلی اور عورتوں کے ساتھ حجروں کے پیچھے سے مسجد میں آئی اور رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے اترے اور اپنی صلوٰۃ کی جگہ تک تشریف لے گئے جہاں ہمیشہ امامت کرتے صلوٰۃ میں اور کھڑے ہوئے اور بہت لمبا قیام کیا پھر رکوع کیا اور لمبا رکوع کیا پھر اُٹھے اور لمبا قیام کیا مگر وہ پہلے قیام سے کم (یا علاوہ) تھا پھر رکوع کیا اور لمبا رکوع کیا مگر پہلے رکوع سے کم (یا علاوہ) پھر سر اٹھایا اور آفتاب صاف ہوا اور فرمایا کہ میں نے تم کو دیکھا کہ قبروں میں آزمائے جاؤ گے دجال کے فتنے کی مانند۔ عمرہ نے کہا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سُنا، فرماتی تھیں کہ میں نے اس کے بعد سنا، رسول اللہ ﷺ پناہ مانگا کرتے تھے دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے''۔

یہ روایت اکثر کُتبِ حدیث میں مختلف الفاظ سے بیان ہوئی ہے سب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودی عورت نے جب عائشہ رضی اللہ عنہا کو عذاب القبر کی خبر دی تو انہوں ''عَــائِــذًا بِاللهِ'' کہا یعنی اللہ سے پناہ مانگی اس کے بعد سورج گرہن کے موقع پر جنت ودوزخ کو نہ صرف دیکھا بلکہ محسوس بھی کیا بعدازاں اپنی امت کو یہ خبر دی کہ بذریعہ وحی مجھے بتایا گیا ہے کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے عذاب قبر کی بابت اللہ سے پناہ مانگنے کو کہا۔ ان تمام روایات سے واضح ہوتا ہے کہ عذاب القبر سے پناہ مانگنے کا حکم نبی ﷺ نے نہ صرف جہنم کو دیکھ کر دیا بلکہ عذابِ القبر میں مبتلا عمرو بن لحی اور بلی کوستانے کے جرم میں ایک عورت کو دیکھ کر دیا۔ واضح رہے کہ عمرو بن لحی اور مذکورہ عورت کو نبی ﷺ نے سورج گرہن کے موقع پر دورانِ صلوٰۃ الکسوف جہنم میں عذاب میں مبتلا دیکھا تھا۔ کیا اس کے بعد بھی اہل السنۃ والجماعۃ عذاب القبر کو جہنم میں نہ مانیں گے۔

قیامت سے پہلے اللہ کی بارگاہ میں پیشی

ماوراء البرزخ دورانیے کے متعلق گزشتہ صفحات میں پیش کردہ تفصیل کے بعد یہ سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں کہ اگر موت کے بعد انفرادی حساب ہونا ہے تو اس کا قرآن وحدیث میں کیا ثبوت ہے؟ کیا یوم الحشر کی طرح اس انفرادی آخرت میں بھی اللہ کے حضور پیش ہونا ہے؟ اگر'' دنیاوی قبر'' جائے عذاب یا راحت نہیں تو مردے سے سوال جواب کہاں ہوں گے؟ جنت وجہنم کی موجودگی کا فی الحال کیا ثبوت ہے؟

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝

﴿الانعام: ۶۱ تا ۶۲﴾

''اور وہی غالب ہے اوپر اپنے بندوں کے اور بھیجتا ہے تمہارے اوپر حفاظت کرنے والے یہاں تک کہ جب آپہنچتی ہے تم میں سے کسی کو موت، اس کی روح قبض کرتے ہیں ہمارے فرشتے اور وہ نہیں کرتے کوتاہی۔ پھر لائے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو اُن کا مالکِ حقیقی ہے، خبردار رہو! اُسی کا ہوگا فیصلہ اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے''۔

اس جگہ پر موت کے بعد نہ صرف اللہ کے حضور پیشی کا ذکر ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا بہت جلد حساب لینے کا بھی بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت '' اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝ '' کا اطلاق مرنے کے فوراً بعد حساب کرکے بندے کو اس کے انجام تک پہنچانے کیلئے زیادہ موزوں ہے یا پھر قیامت تک بندے کے متعلق اسکے انجام کا معاملہ معلق رکھنے کے لیے؟ اس بات کو ایک عام شخص بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

مرنے کے بعد انفرادی حساب کتاب کو نبی ﷺ نے بھی بیان فرمایا ہے:

"عن عبدالله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ حوسب رجل ممن كان قبلكم فلم يوجدله من الخيرشئ الا انه كان يخالط الناس وكان موسرا فكان يأمر غلمانه ان يتجاوزوا عن المُعسر قال قال اللهعزّوجلّ انا احق بذلک منک تجاوزوا عن عبدي"۔

(مسلم: كتاب المساقاة، باب فضل انظارالمعسر)

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگوں میں ایک شخص کا حساب ہوا تو اس کی کوئی نیکی نہ نکلی مگر اتنی کہ وہ لوگوں سے معاملہ کرتا تھا، اور مالدار تھا تو اپنے غلاموں کو حکم کرتا نادار کو معاف کردینے کا، تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم زیادہ حق رکھتے ہیں معاف کرنے کا تجھ سے اور حکم دیا کہ معاف کردو اس کے گناہوں کو''۔

اس حدیث میں لفظاً حساب لیے جانے کا ذکر آیا ہے ورنہ مفہوم کے اعتبار سے مرنے کے بعد حساب لیے جانے کے سلسلے میں اسکے علاوہ بھی

احادیث موجود ہیں جن سے انفرادی حساب ثابت ہوتا ہے۔

مرنے کے بعد اللہ عزوجل کے حضور ہر نفس کی پیشی یا مالک سے ملاقات کرنا بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے قطع نظر اس بات سے کہ یہ ملاقات باحجاب ہے یا بے حجاب۔ سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ فرشتوں کے انسان کی جان نکالنے کے بعد فرمایا:

ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ﴿الانعام: ۶۲﴾

''پھر لائے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو اُن کا مالکِ حقیقی ہے''۔

اسی سورہ میں ظالموں کی موت کے بعد فرمان الٰہی ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ

﴿الانعام: ۹۴﴾

''اور بالآخر تم آگئے ہمارے پاس تنہا تنہا، جس طرح ہم نے پیدا کیا تھا تم کو پہلی بار''۔

مذکورہ آیت میں لفظ ''فرادیٰ'' ''فرد'' کی جمع ہے یعنی ہر ظالم کی اللہ کے حضور پیشی انفرای طور پر ایک ایک کر کے ہوگی۔ سورۂ سجدہ میں نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿۱۱﴾

﴿السجدہ: ۱۱﴾

''کہہ دیجئے کہ تمہیں وفات دیگا موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم سب اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرنے یا نہ کرنے کے متعلق بہت سی روایات تقریباً تمام کتبِ حدیث میں پائی جاتی ہیں:

''عن عبادة بن الصامت عن النبی ﷺ قال من احب لقاء الله احب الله لقاءه ومن كره لقاء الله كره الله لقاءه قالت عائشة او بعض ازواجه انا لنكره الموت قال ليس ذاک ولكن المؤمن اذا حضره الموت بشّر برضوان الله وكرامته فليس شئ احب اليه مما امامه فأحب لقاء الله واحب الله لقاءه وان الكافر اذا حضر بشّر بعذاب الله وعقوبته فليس شئ أكره اليه مما امامه كره لقاء الله وكره الله لقاءه''۔

(بخاری: کتاب الرقاق، باب من احب لقاء الله احب الله لقاءه)

''عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں فرمایا جو شخص اللہ سے ملنے کو محبوب جانتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کو محبوب جانتا ہے اور جو اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں کرتا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے، یا نبی ﷺ کی بعض ازواج نے عرض کیا کہ مرنا تو ہم بھی نہیں پسند کرتے، تو انہوں نے (نبی ﷺ نے) فرمایا کہ اللہ سے ملنے سے موت مراد نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ مؤمن کو جب موت آتی ہے تو اسے اللہ کی خوشنودی اور اس کے یہاں اس کی عزت کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ اس وقت مؤمن کو کوئی چیز اس سے زیادہ عزیز نہیں ہوتی جو اس کے آگے ہوتی ہے اس لیے وہ اللہ سے ملاقات کا خواہش مند ہو جاتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب کافر کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے اس وقت کوئی چیز اس کے دل میں اس سے زیادہ ناگوار نہیں ہوتی جو اس کے آگے ہوتی ہے سو وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرنے لگتا ہے، پس اللہ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے''۔

ایک تابعی شریح بن ھانی کے استفسار پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس امر کی مزید وضاحت کی:

''فقالت قد قاله رسول الله ﷺ وليس بالذى تذهب اليه ولكن اذا شخص البصر وحشرج الصدر واقشعر الجلد وتشنجت الأصابع فعند ذلک من احب لقاء الله احب الله لقاءه ومن كره لقاء الله كره الله لقاءه''۔

(مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبة، باب من احب لقاء الله احب الله لقاءه)

''فرمایا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے جو تو سمجھتا ہے بلکہ جب آنکھیں پتھرا جائیں، دم رک جائے سینے میں، رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور انگلیاں ٹیڑھی ہو جائیں تو اس وقت (نزع کی حالت میں) جو اللہ سے ملنا پسند کرے، اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا ناپسند کرے، اللہ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتا ہے''۔

پس ثابت ہوا کہ ہر شخص کو مرتے وقت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین ہوتا ہے، جس شخص کو فرشتے جنت میں داخلے کی خوشخبری دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسندیدہ جانتا ہے اور جسے مرتے وقت فرشتوں کی ڈانٹ ڈپٹ سے واسطہ پڑتا ہے وہ اس ملاقات کو ناپسندیدہ جانتا ہے۔ اور اس ملاقات سے مقصد قیامت کے دن کی ملاقات نہیں ہے بلکہ مرنے کے بعد کی ملاقات مراد ہے۔ نبی ﷺ کے متعلق انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''عن قتادة قال كنا عند انس وعنده خباز له فقال ما اكل النبی ﷺ خبزا مرققا ولا شاة مسموطة حتى لقى الله''۔

(بخاری: کتاب الاطعمة، باب الخبز المرقق والاكل على الخوان)

''قتادہ سے روایت ہے کہتے ہیں ہم انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اس وقت ان کا روٹی پکانے والا خادم بھی موجود تھا انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی چپاتی نہیں کھائی نہ ساری عمر دم پختہ بکری (سالم بھنی ہوئی بکری) کھائی یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے''۔

پھر یہ ملاقات انبیاء وصالحین تک ہی محدود نہیں بلکہ گناہ گاروں اور کفار کو بھی اس سے واسطہ پڑے گا۔

''عن عبدالله بن مسعود عن النبی ﷺ قال من حلف على يمين يقتطع بها مال امرئ مسلم هو عليها فاجر لقى الله وهو عليه غضبان فانزل الله تعالى إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا (الآية)''

(بخاری: کتاب المساقاة، باب الخصومة فی البر)

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی ایسی جھوٹی قسم کھائے جس کے ذریعے وہ کسی مسلمان کے مال پر ناحق قبضہ کر لے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر بہت زیادہ

غضبناک ہوگا، پس نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے'' ﴿آل عمران:۷۷﴾ ۔''بے شک جولوگ بیچ ڈالتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر''۔

مالکِ کائنات کا غضب کی حالت میں بھی اپنے بندوں سے ملاقات کرنا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے، یوں نیک و بد دونوں طرح کے بندوں کی اللہ عزوجل سے ملاقات کے بعد بارگاہِ الٰہی سے اپنے بندے کے حق میں قیامت تک کے لیے ''ٹھکانے'' کا تقرر ہوتا ہے اور وہ جنت یا جہنم کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ اس موقع پر اہل السنۃ والجماعۃ اپنے سابقہ موقف یعنی دنیاوی قبر میں عذاب وراحت سے قلابازی کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ٹھکانوں کا نام سجّین وعلّیین بتاتے ہیں جسکی بنیاد منکر اور موضوع روایات ہیں، جبکہ کسی صحیح حدیث میں ایسا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

''عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال اذا خرجت روح المؤمن تلقاها ملكان يصعدانها قال حماد فذكرمن طيب ريحها وذكر المسک قال و يقول اهل السماء روح طيبة جاء ت من قبل الارض صلى الله عليک و على جسد كنت تعمرينه فينطلق به الى ربه عزوجل ثم يقول انطلقوا به الىٰ آخر الاجل قا ل وان الكافر اذا خرجت روحه قال حماد و ذكر من نتنها وذكرلعنا و يقول اهل السماء روح خبيثة جاء ت من قبل الارض قال فيقال انطلقوا بها الى آخر الاجل قال ابو هريرة فرد رسول الله ﷺ ريطة كانت عليه على انفه هكذا''۔

(مسلم: كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها، باب عرض المقعد على الميت و عذاب القبر)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جب مؤمن کی روح نکلتی ہے تو اس کو دو فرشتے لیتے ہیں اور اس کو آسمان پر چڑھا لے جاتے ہیں۔ حماد نے کہا (جو حدیث کا راوی ہے) کہ ابو ہریرہ نے اس روح کی خوشبو اور مشک کا ذکر کیا اور کہا کہ آسمان والے کہتے ہیں کوئی پاک روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے اللہ تجھ پر رحمت کرے اور تیرے بدن پر جس کو تو نے آباد کر رکھا ہوا تھا، پھر پروردگار کے پاس اس کو لے جاتے ہیں وہ فرماتا ہے اس کو لے جاؤ قیامت ہونے تک۔ اور کافر کی جب روح نکلتی ہے حماد نے کہا کہ ابو ہریرہ نے اسکی بدبو کا اور اس پر لعنت کا ذکر کیا، آسمان والے کہتے ہیں کوئی ناپاک روح آئی ہے زمین کی طرف سے پھر حکم ہوتا ہے اس کو لے جاؤ قیامت ہونے تک، ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ایک باریک کپڑا جو وہ اوڑھے ہوئے تھے اپنی ناک پر ڈالا اس طرح سے''۔

گو کہ اس حدیث میں دوبار ذکر کیے جانے والے جملے **''انطلقوا به الى آخر الاجل''** کا ترجمہ کرتے ہوئے وحید الزمان صاحب نے بریکٹ میں علّیین وسجّین کا ذکر کیا ہے مگر حدیث کے اصل الفاظ دیگر نصوصِ صریحہ کے باعث اس تاویل کے متحمل نہیں ہیں۔ سابقہ حدیث میں مؤمن وکافر کی ارواح کے ساتھ ذکر کردہ معاملات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہی زیادہ تفصیل کے ساتھ ایک دوسری حدیث سے واضح ہوتے ہیں:

''عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال اذا حضر المؤمن اتته ملائكة الرحمة بِحَرِيرَةٍ بيضاء فيقولون اخرجي راضية مرضياً عنک الى رَوح الله وريحان وربّ غير غضبان فتخرج كاطيب ريح المسک حتى انه لينا وله بعضهم بعضًا حتى يأتون به باب السماء فيقولون ماأطيب هذه الريح التى جاء تكم من الارض فيأتون به ارواح المؤمنين فلهم اشد فرحًا به من احدكم بغائبه يقدم عليه فيسأ لونه ماذا فعل فلان ماذا فعل فلان فيقولون دعوه فانه كان فى غم الدنيا فاذا قال أما اتاكم قالوا ذهب به الى أمه الهاوية وان الكافر اذا احتضر اتته ملائكة العذاب بمسح فيقولون أخرجي ساخطة مسخوطا عليک الى عذاب الله عزوجل فتخرج كانتن ريح جيفة حتى ياتون به باب الارض فيقولون ما انتن هذه الريح حتى ياتون به ارواح الكفار''۔

(سنن نسائی: كتاب الجنائز، باب مايلقى به المؤمن من اكرامه)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مؤمن مرنے کے قریب ہوتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نکلو اس طرح کہ تم اللہ سے راضی اور وہ تم سے راضی پروردگار کی رحمت کی جانب اور اس کے رزق کی جانب اور اس ربّ کی جانب جو غضبناک نہیں ہے، پھر وہ روح نکل جاتی ہے جس طریقے سے عمدہ خوشبودار مشک، اور فرشتے اس روح کو ایک دوسرے کو دیتے ہوئے آسمان کے دروازے پر پہنچ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کیا عمدہ خوشبو ہے جو کہ زمین سے آئی ہے پھر اس کو اہلِ ایمان کی ارواح کے پاس لاتے ہیں اور وہ روح خوش ہوتی ہے اس سے زیادہ جو کہ تم کو کسی بچھڑے ہوئے شخص کی آمد سے ہوتی ہے، وہ اس سے دریافت کرتے ہیں فلاں نے کیا کیا؟ فلاں نے کیا کیا پھر کہتے ہیں ابھی ٹھہر جاؤ اس کو چھوڑ دو یہ دنیا کے غم میں مبتلا تھا، تو یہ روح کہتی ہے کیا وہ تم لوگوں کے پاس نہیں پہنچا (وہ تو مر گیا ہے) تو اس پر وہ روحیں کہتی ہیں اس کو اسکے ٹھکانے الھاویہ (جہنم) میں لے جایا گیا۔ اور جس وقت کافر کی موت آتی ہے تو عذاب کے فرشتے ٹاٹ کا ٹکڑا لے کر آتے ہیں اور کہتے کہ باہر نکل اس حال میں کہ تو اللہ سے ناراض اور وہ تجھ سے ناراض ہے اللہ کے عذاب کی طرف، پھر وہ روح نکلتی ہے اس طرح سے کہ جیسے سڑے ہوئے مردار کی بدبو ہوتی ہے یہاں تک کہ اسے زمین کے دروازے پر لاتے ہیں اور کہتے ہیں کیسی شدید بدبو ہے، پھر اسکو کفار کی ارواح تک لے جاتے ہیں''۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ مرنے والے سے جب ایک سابقہ مرے ہوئے شخص کی بابت پوچھا جاتا ہے تو اُس کی غیر موجودگی سے اس کا جہنم میں ہونا سمجھا جاتا ہے نہ کہ سجّین میں '' ذهب به الى امه الهاوية '' میں، ھاویہ سے مقصود جہنم ہے جیسا کہ سورۃ القارعہ کی آخری آیات میں مالک نے خود اسکی وضاحت کی ہے فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝

﴿القارعہ:۹تا۱۱﴾

''اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے؟ وہ تند و تیز آگ ہے''۔

مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا برزخی جسم ملنے کے بعد روح وجسم کے مجموعے سے کلام کرنا یا ان سے سوال وجواب کا ثبوت بھی قرآن وسنت سے ملتا ہے۔
سورۃ المؤمنون کی آیت ۹۹ اور ۱۰۰ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ روح دنیا میں لوٹنے کی درخواست کرتی ہے جسے مالکِ کائنات ردّ کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ شہداء سے بھی اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے اور کسی سے تو بغیر حجاب کے بھی کلام کرتا ہے:

"عن جابر بن عبدالله يقول لما قتل عبدالله بن عمرو بن حرام يوم أُحد قال رسول الله ﷺ يا جابر الا اخبرك ماقال الله عزوجل لابيك قلت بلى قال ماكلم الله احدًا الا من وراء حجاب و كلم اباك كفاحا فقال يا عبدى تمنّ على اعطك قال يارب تحيينى فاقتل فيك ثانية قال انه سبق منى انهم اليها لا يرجعون قال يارب فأبلغ من ورائى فانزل الله عزوجل هذه الآية وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا الآية كلها"۔

(سنن ابن ماجه : كتاب الجهاد، باب فضل الشهادة فى سبيل اللّٰه)

"جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے روز جب عبداللہ بن عمرو بن حرام مارے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جابر! میں تجھے نہ بتاؤں کہ اللہ عزوجل نے تمہارے والد سے کیا کہا؟ میں نے عرض کیا ضرور بتائیے۔ فرمایا اللہ نے کسی سے بھی بغیر حجاب کے گفتگو نہیں کی اور تمہارے والد سے بغیر حجاب کے گفتگو فرمائی۔ فرمایا اے میرے بندے میرے سامنے اپنی تمناؤں کا اظہار کر میں تجھے عطا کرونگا تو تمہارے والد نے عرض کیا اے میرے رب مجھے زندہ کر دیجیے تا کہ میں دوبارہ آپکی راہ میں مارا جاؤں (اس پر اللہ تعالیٰ نے) جواب دیا: میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ یہاں آنے کے بعد کوئی واپس دنیا میں نہ جائیگا، تو تمہارے والد نے عرض کیا اے میرے رب جو لوگ دنیا میں میرے پیچھے رہ گئے اُن کو میرا حال بتا دیجیے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: "اور ہرگز نہیں سمجھو اُنہیں مُردہ جو قتل کیے گئے اللہ کی راہ میں......" ﴿آل عمران:۱۶۹﴾

غور کا مقام ہے کہ شہیدوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں گو کہ زندہ کہا ہے لیکن اس سے مُراد اُخروی زندگی ہے نہ کہ "دنیوی زندگی" جو عبداللہ بن حرام اللہ سے طلب کر رہے تھے (واضح ہو کہ اس حدیث میں نبی ﷺ نے سورہ یٰس :۳۱ کے آخری الفاظ ادا فرمائے)

جنت و جہنم پہلے ہی تخلیق شدہ ہیں:

اب آخری اعتراض یہ رہ جاتا ہے کہ جنت و جہنم کیا اس وقت موجود ہیں؟ اور اگر موجود ہیں تو اُنکا جائے وقوع کہاں ہے؟

"عن ابى هريرة عن رسول الله ﷺ قال لما خلق الله الجنة والنار ارسل جبريل الى الجنة فقال انظر اليها والى ما اعدالله لأهلها فيها قال فرجع اليه قال فوعزتك لا يسمع بها احد الا دخلها فأمربها فحفت بالمكاره فقال ارجع اليها فانظر الى ما اعددت لاهلها فيها قال فرجع اليها فاذا هى قدحفت بالمكاره فرجع اليه فقال و عزتك لقد حفت ان لايدخلها احد قال اذهب الى النار فانظر اليها والى ما اعددت لاهلها فيها فاذا هى يركب بعضها بعضاً فرجع اليه فقال و عزتك لا يسمع بها احد فيدخلها فأمربها فحفت بالشهوات فقال ارجع اليها فرجع اليها فقال وعزتك لقد خشيت ان لا ينجوا منها احد الا دخلها"۔

(سنن الترمذى: صفة الجنة، باب حفت الجنة با لمكاره و حفت النار بالشهوات)

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے جنت اور دوزخ کو تخلیق کیا تو جبرائیل علیہ السلام کو جنت اور اس میں موجود اہلِ جنت کیلئے تیار کردہ چیزیں دیکھنے کیلئے بھیجا، وہ گئے اور دیکھ کر واپس لوٹے اور عرض کیا اے اللہ تیری عزت کی قسم جو بھی اس کے متعلق سنے گا اس میں ضرور داخل ہوگا پس اللہ نے حکم دیا اور جنت کو تکلیفوں سے گھیر دیا گیا۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو کہا کہ دوبارہ جاؤ اور دیکھو کہ میں نے اہلِ جنت کے لیے کیا تیار کیا ہے فرمایا کہ جبرائیل دوبارہ جنت کی طرف لوٹے جبکہ وہ تکالیف سے گھری ہوئی تھی پس وہ اللہ تعالیٰ کے حضور آئے اور عرض کیا اے اللہ تیری عزت کی قسم مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاؤ دوزخ کی طرف اور دیکھو اسے اور اس میں موجود اہلِ دوزخ کے لیے کیا تیار کیا ہے (انہوں نے جا کر دیکھا) تو دوزخ کا ایک حصہ دوسرے حصے پر چڑھا جا رہا تھا چنانچہ واپس آئے اور عرض کیا اے اللہ تیری عزت کی قسم اس کا حال سننے کے بعد کوئی اس میں داخل نہیں ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے خواہشاتِ نفس سے گھیرنے کا حکم دیا، پھر جبرائیل علیہ السلام کو کہا کہ واپس جاؤ! وہ دوبارہ دوزخ کی طرف گئے عرض کیا اے اللہ تیری عزت کی قسم مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے کوئی شخص نجات نہ پا سکے گا اور اس میں داخل ہو جائیگا"۔

اس حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انسانوں کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو بنایا تھا۔ اس کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے مثلاً جہنم میں پتھر کے گرنے کی آواز والی حدیث سے دورِ نبوی میں جہنم کا تخلیق شدہ ہونا واضح ہوتا ہے۔ ہر نبی کو مرنے سے پہلے جنت میں اسکا جائے مقام دکھایا جانا جنت کا ماضی بعید میں بنائے جانے کا بیّن ثبوت ہے، ہر مرنے والے کو مخلوق شدہ جنت یا دوزخ میں اسکا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔

قرآن میں جنت اور دوزخ کیلئے ماضی کے صیغے سے اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (تیار کی گئی ہے متقیوں کے لیے) اور اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے) کا استعمال دونوں کا تخلیق شدہ ہونا ثابت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ پہلے انسان یعنی آدم علیہ السلام کا جنت میں رہنا قرآن میں ایک سے زائد جگہ بیان ہوا ہے، اس معاملے میں گو کہ علمائے اہل سنت خود بھی مختلف فیہ رہے ہیں کہ آیا کہ وہ جنت جہاں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا وہ وہی جنت ہے جہاں تمام مؤمنین کو بعد از قیامت جانا ہے یا وہ کوئی عارضی باغ (جنت) تھا جس کا قیام وقتی مصلحت کے علاوہ کچھ نہ تھا، مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ ابن القیم نے اپنی کتاب "حاوی الارواح" میں اس بحث کو تفصیلاً درج کیا ہے۔ البتہ نصِ صریح سے آدم علیہ السلام کا جس جنت میں رہنا ذکر کیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل اوصاف کی حامل ہے:

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ ﴿طہ:۱۱۸،۱۱۹﴾

"یہاں تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو بُھوکا ہوتا ہے نہ ننگا، اور نہ تو یہاں پیاسا ہوتا ہے نہ دھوپ سے تکلیف اٹھاتا ہے"۔

دیکھیے! مذکورہ صفات کا حامل کوئی باغ (جنت) ہمیں دنیا میں تو نظر نہیں آتا۔ آئندہ سطور میں اس کو واضح کیا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں شجرِ ممنوعہ اور پھر معافی و مغفرت کے بعد اُن کو (جنت سے) اُترنے اور دنیا میں

آنے کا حکم ملا تھا۔ایک مشہور حدیث سے اس واضح امر پر مزید روشنی پڑتی ہے:

"عن طاؤس قال سمعت ابا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ احتج آدم وموسىٰ فقال موسىٰ يا آدم انت ابونا خيبتنا واخرجتنا من الجنة فقال له آدم انت موسىٰ اصطفاك الله بكلامه و حظ لك بيده اتلومنى على امر قدره الله قبل ان يخلقة بأربعين سنة فقال النبى ﷺ فحج آدم موسىٰ فحج آدم موسى"۔

(بخاری: کتاب القدر، باب تحاج آدم وموسیٰ)

''طاؤس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مباحثہ کیا آدم وموسیٰ نے، موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا، آدم آپ ہمارے باپ ہیں مگر آپ ہی نے ہمیں مایوس کیا ہے اور جنت سے نکالا، آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا موسیٰ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کے لئے برگزیدہ کیا اور اپنے ہاتھ سے آپ کے لئے تورات کو لکھا، کیا آپ مجھے ایک ایسے کام پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال قبل میری تقدیر میں لکھ دیا تھا، آخر آدم علیہ السلام بحث میں موسیٰ علیہ السلام پر غالب آئے......تین مرتبہ نبی ﷺ نے یہ جملہ فرمایا''۔

یہاں رُک کر ذرا غور کیجئے کہ اگر آدم علیہ السلام کو عارضی جنت میں رکھا گیا تھا کہ جس کا فنا ہونا مقدر تھا، تو پھر تو موسیٰ علیہ السلام کا حجت کرنا بے معنی معلوم ہوتا ہے۔

ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کے جب اہل السنۃ والجماعۃ اس عقیدے پر متفق ہیں کہ جنت و دوزخ مخلوق شدہ ہیں اور اس عقیدے کے ماسوا کو باطل جانتے ہیں تو پھر آدم علیہ السلام کی مسکونہ جنت میں اختلاف کر کے، معتزلہ جیسے فرقوں کو خود وہ مواد کیوں فراہم کرتے ہیں جسکی بنیاد پر معتزلہ کے کچھ ذیلی گروہوں نے جنت اور دوزخ کے مخلوق شدہ ہونے کا انکار کیا ہے۔

''حاوی الارواح'' میں ابن القیم نے آدم علیہ السلام کی قیام شدہ جنت کو جنت الخلد نہ ماننے والوں کے دلائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جنت و دوزخ کو مخلوق شدہ نہ ماننے والے تمام گروہ انہی دلائل کو اپنا ہتھیار سمجھتے ہیں، گویا ایسا لگتا ہے کہ جنت و دوزخ کو مخلوق شدہ نہ ماننے کا باطل عقیدہ بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے باہمی اختلافات کا ہی شاخسانہ ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ جنت و دوزخ موجود ہیں تو سوال اٹھتا ہے کہ ان کا جائے وقوع کہاں ہے؟ جنت کا مقام تو قرآن وحدیث سے واضح ہے سورۃ النجم میں فرمان الٰہی ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ ﴿النجم:۱۳تا۱۵﴾

''اور یقیناً دیکھا اُسے (جبرائیل علیہ السلام کو) ایک مرتبہ اور سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کے پاس، اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے''۔

سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کا مقام معلوم ہے کہ آسمان کے اُوپر ہے۔ کچھ روایات کی رُو سے چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے اور اس کے پاس ہی جنت ہے۔سورۃ الذاریات میں اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝ ﴿الذاریات:۲۲﴾

''اور آسمان میں ہے تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے''۔

اس آیت سے بھی جنت کا آسمانوں پر ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔آدم علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ کا فرمانا قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا (سورۃ البقرہ:۳۶،۳۸) یعنی ہم نے کہا کہ نیچے اُترو! تو یہ الفاظ بھی اوپر سے نیچے کی طرف دلالت کرتے ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"من آمن بالله ورسوله واقام الصلاة وصام رمضان كان حقًا على الله ان يدخله الجنة هاجر فى سبيل الله او جلس فى ارضه التى ولد فيها قالوا يارسول الله افلا نبئنى الناس بذلك قال ان فى الجنة مائة درجة اعدها الله للمجاهدين فى سبيله كل درجتين ما بينهما كما بين السماء والارض فاذاسألتم الله فسالوه الفردوس فانه اوسط الجنة واعلى الجنة وفوقه عرش الرحمٰن و منه تفجر انهار الجنة"۔

(بخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشه على الماء)

''جو ایمان لایا اللہ اور اس کے رسول پر اور قائم کی صلوٰۃ اور صوم رکھے رمضان کے، تو حق ہے اللہ پر کہ اسے داخل کردے جنت میں چاہے اس نے ہجرت کی ہو اللہ کی راہ میں یا بیٹھا رہ گیا اس کی زمین میں جہاں پیدا ہوا تھا (صحابہ نے) کہا یا رسول اللہ کیا ہم اطلاع نہ دیں لوگوں کو اس بات کی، فرمایا جنت میں سو(۱۰۰) درجے ہیں تیار کیا ہے ان کو اللہ نے مجاہدین کے لیے اللہ کی راہ میں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا (فاصلہ) ہے جیسے آسمان وزمین کے درمیان پس جب تم سوال کرو اللہ سے تو سوال کرو ''فردوس'' کا کیونکہ کہ وہ درمیانے درجے کی جنت ہے اور سب سے اونچی جنت ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے پھوٹتی ہے نہریں جنت کی''۔

اس حدیث کے بعد مزید کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ جنت کا جائے مقام آسمانوں پر ہے، البتہ جہنم کے جائے مقام کے بارے میں ایسے واضح اشارے نہیں ملتے، اس لیے کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی۔ کچھ لوگ آیت وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝ ﴿الذریت:۲۲﴾ (اور آسمان میں ہے تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے) کو جنت و دوزخ دونوں پر محمول کرتے ہیں مگر آیت کا سیاق وسباق اس بات کی تائید نہیں کرتا، احادیثِ معراج کے موقعے پر نبی ﷺ کا آسمانوں پر جہنم کا دیکھنا بھی اس لئے دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ لیلۃ المعراج ایک معجزاتی معاملہ تھا بالکل اسی طرح جیسے کہ صلوٰۃ الکسوف میں نبی ﷺ نے مدینہ میں ہی مسجد کی دیوار میں جنت و جہنم کو دیکھا تھا۔جن روایات وآثار سے ساتویں زمین میں جہنم کا ہونا بتلایا گیا ہے وہ سب کی سب ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ اسی طرح ہر وہ راویت کہ جس میں زمین میں جہنم کا ہونا یا سمندر کا جہنم ہونا یا جہنم کا زمین کے گرد محیط ہونا مذکور ہے، وہ سنداً اور متناً نہایت کمزور ہیں۔کچھ روایات میں غیر مؤمن کی روح کے لیے آسمان کا دروازہ نہ کھلنا یا غیر مؤمن کی روح کو باب

السماء کے بجائے باب الارض کی طرف لے جانا نیز سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۴۰ میں اللہ کی آیات کو جھٹلانے والوں اور متکبرین کے لیے آسمان کے دروازوں کا نہ کھلنا اس بات کی دلیل سمجھا جاتا ہے کہ جہنم آسمانوں میں نہیں ہے۔ یہ دراصل، متشابہ اُمور میں سے ہے کہ جن پر قیاس کرنے سے منع کیا گیا ہے اوران کو دلیل بنانے کا کوئی جواز نہیں۔ گزشتہ صفحات میں سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث بیان کی گئی جس میں نبی ﷺ نے جنت وجہنم دونوں طرح کے مقامات کے لیے پیشگی ''ارضِ مقدسہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لفظ ''ارض'' سے مقصود دنیا ہی نہیں ہے، علاوہ ازیں سورۂ زمر کی آیت ۷۴ میں جنت کو بھی ''ارض'' کہا گیا ہے۔

جس طرح لفظ ''ارض'' سے مقصود ہر جگہ صرف دنیا ہی نہیں، اسی طرح ''باب السماء'' یعنی آسمان کا دروازہ اور ''ابواب السماء'' یعنی آسمان کے دروازوں سے مقصود ہمیشہ آسمان ہی نہیں ہوتا۔ امام بخاری ماہِ رمضان کی فضیلت میں اُوپر تلے دو حدیثیں لائے ہیں، ان دونوں حدیثوں میں غور کرنے سے آسمان کے دروازوں کا تصور بالکل صاف ہوجاتا ہے۔

"عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اذاجاء رمضان فتحت ابواب الجنة"

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں''۔

اگلی حدیث اس طرح ہے:

"ابوھریرة رضی اللہ عنہ یقول قال رسول اللہ ﷺ اذا دخل شهر رمضان فتحت ابواب السماء وغلقت ابواب جهنم و سلسلت الشياطين "۔

(بخاری: کتاب الصوم، باب هل يقال رمضان اوشهر رمضان......)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کہا رسول اللہ ﷺ نے جب داخل ہوتا ہے ماہ رمضان تو کھول دیے جاتے ہیں آسمان کے دروازے اور بند کردیے جاتے ہیں جہنم کے دروازے اور زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے شیاطین کو''۔

پہلی حدیث میں بیان کردہ لفظ ''ابواب الجنة'' کے بجائے دوسری حدیث میں ''ابواب السماء'' بیان کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کے دروازوں سے مقصود دراصل جنت ہی ہے، دوسری حدیث میں ''ابواب السماء '' کے مقابلے میں ''ابواب جہنم'' سے مزید اس امر کی توثیق ہوتی ہے۔

گزشتہ بحث سے جو باتیں سامنے آئیں وہ یہ کہ:

اولاً: جنت وجہنم مخلوق شدہ ہیں انکو مخلوق شدہ نہ ماننا نصِّ صریح سے انکار ہے۔

ثانیاً: جنت کا مقام آسمانوں پر ہے اور اس کا سب سے بالائی درجہ عرش الرحمٰن کے نیچے ہے۔

ثالثاً: جہنم کے بارے میں حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا جائے وقوع کہاں ہے، اس پر ایمان لانا ہے، جائے وقوع کا حتمی تعین ضروری نہیں۔ بہرحال یہ بات طے ہے کہ وہ اس زمین میں نہیں ہے جہاں بنی آدم کو رکھا گیا ہے کیونکہ یہ کمزور دنیا نہ تو جہنم کی محل جتنی چنگاریاں سہ سکتی ہے اور نہ ہی جہنم کی اُنہتّر گنا آگ۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

" نارکم هذه التى يوقد ابن آدم جزء من سبعين جزءًا من حر جهنم قالوا والله ان كانت لكافية يا رسول الله قال فانها فضلت عليها بتسع وستين جزءً اكلها مثل حرها "۔

(مسلم: الجنة وصفة نعيمها واهلها، باب فی شدة حرنار جهنم و بعد قعرها وما تأخذ من المعذبين)

''تمہاری (دنیا کی) آگ جہنم کی آگ کے مقابلے میں ستّرواں حصہ ہے (اپنی گرمی اور ہلاکت خیزی میں) لوگوں نے کہا یا رسول اللہ (کفار اور گناہ گاروں کے عذاب کے لیے تو) یہ ہماری دنیا کی آگ بھی بہت تھی، نبی ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی آگ کے مقابلے میں جہنم کی آگ انہتر گنا بڑھ کر ہے''۔

تیسرا دور ''آخرت''

آخرت سے مراد اجتماعی آخرت، یوم الحشر، یوم الدین، یوم البعث وغیرہ ہے۔ انفرادی آخرت تو انسان کے مرتے ہی شروع ہوجاتی ہے (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا) البتہ اجتماعی آخرت روزِ قیامت سے جنت یا جہنم میں ابدی زندگی پر مشتمل ہے۔ دنیاوی زندگی کا خاتمہ صور پھونکے جانے سے ہوگا۔ اس پہلے صور سے دنیا میں موجود تمام نفوس مرجائینگے، پہلے سے مرے ہوئے لوگ بھی اپنی برزخی زندگی میں سلا دیے جائیں گے اور پھر وہ اپنے ماوراء البرزخ دورانیے میں گزرے ہوئے لمحات بھول جائیں گے۔ اس کے بعد وقفہ ہوگا جس کی مدت حدیث میں چالیس بتائی گئی ہے اب معلوم نہیں کہ وہ چالیس دن ہیں، ہفتے ہیں، مہینے ہیں، سال ہیں یا کچھ اور۔ بعد ازاں آخری صُور پھونکا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ بارش برسائیگا اور بارش سے لوگوں کے وہ جسم جو گل سڑ کر خاک میں مل گئے تھے، دوبارہ وجود میں آنے لگیں گے، کونپلوں کی مانند پھوٹنا شروع کردیں گے، ہر انسان کے جسم کی ایک ایک پور بنائی جائیگی پھر اس دن یعنی قیامت کو ہی روحوں کو ازسرنو تیار کردہ اجسادِ عنصری سے جوڑا جائیگا۔

اب چونکہ معاملات اجتماعی ہونگے لہٰذا سب کے اعمال نامے قیامت کے دن ہی منظرِ عام پر لائے جائینگے **وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓـئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ‌ ؕ وَنُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلۡقٰهُ مَنۡشُوۡرًا** ﴿بنی اسرائیل: ۱۳﴾

''اور ہر انسان کی قسمت کو ہم نے اس کے گلے لگادیا ہے اور نکالیں گے بروز قیامت اسکے لئے نامۂ اعمال جسے وہ اپنے اوپر کھلا ہوا پالے گا''۔

آدم علیہ السلام سے لیکر آخری انسان تک کے باہمی معاملات کا فیصلہ سراپا عدل کی بنیاد پر کیا جائیگا، کسی ایک مخلوق پر بھی ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا **وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا** ﴿بنی اسرائیل: ۷۱﴾ ''اور نہیں ظلم کیے جائیں گے دھاگے کے برابر بھی'' خوش نصیب

وہ ہوگا جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوگا یا وہ جس سے سرسری حساب کتاب ہوگا حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿انشقاق:۸﴾ مار اوہ جائیگا جس سے پوچھ گچھ شروع ہوگی کیوں کہ پھر ہر بڑی چھوٹی نیکی یا برائی سامنے لائی جائیگی فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ ﴿زلزال:۷،۸﴾ ''پس جس نے کی ہوگی ذرہ برابر نیکی وہ اُسے دیکھ لے گا اور جس نے کی ہوگی ذرہ برابر برائی وہ بھی اُسے دیکھ لے گا''۔ جس طرح انفرادی آخرت کے موقعے پر بندے سے پوچھ گچھ کے مختلف انداز اپنائے گئے تھے، اسی طرح قیامت کے دن بھی جنتیوں اور جہنمیوں سے سوال و جواب یا گفت وشنید کے مختلف انداز اپنائے جائینگے اور بہت سے لوگوں کو بغیر سوال و جواب کے بھی جنت یا جہنم میں داخل کیا جائیگا۔ بالآخر تمام لوگ جنت یا جہنم میں داخل کر دیے جائینگے۔ کچھ مؤمن جن کا ایمان خالص ہوگا یعنی شرک کی ملاوٹ سے پاک ہوگا، اپنی بدعملی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہونگے جو کہ بعد میں از شفاعت دیگرے، بذریعۂ رحمتِ الٰہی یا پھر اپنی سزا کی مدت پوری ہونے کے بعد ہی جنت میں داخل کیے جائینگے۔ ہر شخص جہنم کے اوپر پل صراط سے گزر کر ہی جنت میں داخل ہو سکے گا۔ اُس دن سب سے پہلے محمد ﷺ اور انکی امت جنت میں داخل ہوگی۔ جنت کا دربان واضح طور پر محمد ﷺ کو یہ الفاظ کہے گا '' بِكَ اُمِرْتُ لَا اَفْتَحُ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ'' ۔(مسلم: کتاب الایمان، باب فی قول النبی ﷺ انا اول الناس......) ''آپکی بابت ہی مجھے حکم دیا گیا ہے، نہیں کھولوں گا کسی کے لئے بھی آپ سے قبل''۔ اگر ماوراء البرزخ دورانیے میں گزرے ہوئے لمحات لوگوں کو یاد ہوتے تو نبی ﷺ اور انکی امت کے لوگوں کا قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کے اعزاز کو یُوں بیان نہ کیا جاتا اور نہ ہی جہنمیوں کا جہنم کو دیکھ کر خوف کھانا، ششدر رہ جانا، نظریں چرانا وغیرہ کا بیان قرآن وسنت میں ہمیں ملتا۔

یہ بات واضح رہے کہ اس دن ہر شخص کا فیصلہ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ۝ ﴿شوری:۷﴾ کی بنیاد پر ہی ہوگا یعنی یا تو ہر فرد جنتی ہوگا یا جہنمی ہوگا جیسا کہ درج ذیل حدیث نبوی سے بھی ظاہر ہوتا ہے:

''عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ما من صاحب كنز لا يؤدى زكاته الا احمى عليه فى نار جهنم فيجعل صفائح فيكوى بها جنباه و جبينه حتى يحكم الله بين عباده فى يوم كان مقداره خمسين الف سنة ثم يرى سبيله اما الى الجنة و اما الى النار......''۔

(مسلم: كتاب الزكاة، باب اثم مانع الزكاة)

''ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، کوئی صاحبِ کنز (خزانے والا) ایسا نہیں ہے جو زکوٰۃ نہ دیتا ہو مگر گرم کیا جائے گا وہ خزانہ اسکا جہنم کی آگ میں اور اسکے تختے بنائے جائیں گے پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی دونوں کروٹیں اور ماتھا جب تک کہ فیصلہ کرے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا اتنے بڑے دن میں جسکی مقدار پچاس ہزار برس ہے پھر اُسے راہ دکھائی جائے گی جنت کی یا جہنم کی............''۔

جہاں تک اصحاب الاعراف کا تعلق ہے تو وہ جنتی ہی ہونگے جنہیں کسی وجہ سے جنت میں داخلے سے روکا گیا ہوگا۔ حتمی طور پر انہیں جنتی کہنے کی بنیاد بنی نوعِ انسان کی وہ طبقاتی تقسیم ہے جسکی بنیاد خود مالکِ یوم الدین نے رکھی ہے جو کہ کچھ اس طرح ہے۔

اولاً: جنتی طبقہ جسے ہمیشہ کیلئے جنت کی نعمتوں سے متمتع ہونا ہے۔

ثانیاً: گناہ گار مؤمنین کا وہ طبقہ جو جہنم میں جل کر جنت میں داخل ہوگا جنہیں جنت کے باسی جہنمی کہہ کر پکاریں گے۔

ثالثاً: جہنمی طبقہ جنہیں ہمیشہ کیلئے جہنم میں مبتلائے عذاب رہنا ہے۔

اس طبقاتی تقسیم میں اگر اصحاب الاعراف کو جگہ دی جائے تو یقیناً وہ تو اُس طبقے سے بھی بہتر ہیں جنہیں جہنم میں جل کر جنت میں جانا ہے، لہٰذا انہیں جنتی کہنا ہی صحیح بات ہے۔ ان کے روکے جانے پر نصِ صریح نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی تاویلات کی گئی ہیں، ویسے اگر قرآن وحدیث پر مبنی تعلیمات کو سامنے رکھا جائے تو سورۃ الاعراف میں اصحاب الاعراف کے تذکرے سے تین آیت پہلے مالکِ کائنات نے فرمایا وَنَزَعْنَا مَا فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ ﴿الاعراف:۴۳﴾ ''اور ہم دور کردیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں کدورت (کینہ) ہے''۔

یہ بات سورۃ الحجر میں بھی مالک کائنات نے بیان کی ہے اور اس بات کی تشریح معلمِ قرآن ﷺ نے کچھ اس طرح کی ہے:

'' عن ابى سعيد الخدرى رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ قال اذا خلص المؤمنون من النار حبسوا بقنطرة بين الجنة والنار فيتقاصون مظالم كانت بينهم فى الدنيا حتى اذا نقوا وهذبوا اذن لهم بدخول الجنة فوالذى نفس محمد بيده لاحدهم بمسكنه فى الجنة ادلىٰ بمنزله كان فى الدنيا''۔

(بخاری: کتاب الرقاق، باب قیامت کے دن بدلہ لیا جانا)

''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مؤمنین جہنم سے (پُل صراط عبور کرکے) چھٹکارا پا جائیں گے لیکن جنت و دوزخ کے درمیان ایک پُل پر انھیں روک لیا جائیگا اور پھر ایک دوسرے پر مظالم کا بدلہ لیا جائیگا جو دنیا میں ان کے درمیان آپس میں ہوئے تھے اور جب کانٹ چھانٹ کر لی جائیگی اور صفائی ہو جائیگی تب انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی، پس اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے جنتیوں میں سے ہر کوئی جنت میں اپنا گھر دنیا کے گھر کے مقابلے میں زیادہ بہتر پہچانے گا''۔

قرآن وحدیث کے ان بیانات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اصحاب الاعراف انہی لوگوں کو کہا گیا ہے جن کا اس حدیث میں تذکرہ ہوا ہے۔

اولاً: اس کے لیے کہ سورۃ الاعراف میں اصحاب الاعراف کے تذکرے میں سیاق وسباق اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ ان کے بیان سے قبل جنتیوں کے دلوں کو کدورتوں سے پاک کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

ثانیاً: قرآن کا لفظ ''اعراف'' جو کہ ''عرف'' کی جمع ہے اور حدیث میں مذکور لفظ ''قنطرة'' اِن دونوں الفاظ کے معانی میں مماثلت بھی ان دونوں گروہوں کے

ایک ہونے کے لیے سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ واضح رہے کہ "عرف" اور "قنطرۃ" دونوں کے معنی اونچی جگہ کے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

پس معلوم ہوا کہ ہر انسان کو ان تین مراحل دنیا، ماوراء البرزخ، آخرت سے واسطہ پڑے گا یہی اللہ کی سنت ہے اور اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی۔ سب سے پہلے انسان کو دنیا میں بھیج کر اسکا امتحان لیا جاتا ہے کہ آیا وہ عذاب کا مستحق ہوتا ہے یا راحت کا۔ اگر انسان کا خاتمہ ایسے ایمان پر ہوتا ہے جو شرک سے پاک ہو، خالص ہو تو راحت وانعامات کا سلسلہ مرتے ہی جنت کے حصول کی صورت میں اسے مل جاتا ہے۔ اور حالتِ شرک پر خاتمے کی صورت میں جنت کے بجائے جہنم کا حصول مرتے ہی انسان کا مقدر بن جاتا ہے گو کہ وہ اعمالِ صالحہ سے لبریز زندگی گزار کر ہی کیوں نہ آیا ہو۔ یہ ہماری بات نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اپنی امت سے کیا ہوا وعدہ ہے:

"عن جابر بن عبداللہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من لقی اللہ لایشرک بہ شیئا دخل الجنۃ ومن لقیہ یشرک بہ دخل النار"۔

(مسلم: کتاب الایمان، باب من مات لایشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ)

"جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص اللہ سے ملاقات کرے جبکہ وہ اللہ کے ساتھ ذرّہ برابر بھی شرک نہ کرتا ہو، تو وہ جنت میں جائیگا اور جو اللہ سے ملاقات کرے جبکہ وہ اُس (اللہ) کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہو، وہ جہنم میں جائیگا"۔

واضح رہے کہ اللہ سے ملاقات کرنے کا مطلب مرتے ہی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا ہے۔ اس امر کی گزشتہ صفحات میں وضاحت سے تفصیل بیان کی گئی ہے نیز مسلم کی اس حدیث سے متصل پچھلی والی حدیث میں یہی روای یعنی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ "من لقی اللہ" کے بجائے "من مات" بیان کرتے ہیں۔ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مرنے کے فوراً بعد اللہ سے ملاقات کا تصور رکھتے تھے۔

اگر ہم قرآن وحدیث کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں تو بہت سے مقامات پر ہمیں انسان کے مرنے کے بعد اُسکو جنت یا جہنم میں داخل کیے جانے کا تذکرہ نصِ صریح سے ملتا ہے۔ اور انسان کے مرنے کے بعد جنت یا جہنم میں جنت کی راحت کو "نعیم" اور جہنم کے عذاب کو "عذاب القبر" کہا گیا ہے۔ یعنی معاملہ گو کہ برزخی ہے مگر مقامات، جنت یا جہنم کے علاوہ نہیں ہیں۔ کم از کم نصِ صریح سے تو یہی ثابت ہے اور اس نصِ صریح کے خلاف اپنی رائے سے دنیاوی قبر کو راحت یا عذاب کا مقام بتانا یا منکر وموضوع روایات کو بنیاد بنا کر علیین و سجین نامی مقامات کو راحت یا عذاب کی جگہ بتانا، یا پھر عالمِ امثال جیسے تصورات قائم کر کے ایک نامعلوم اور مجہول جگہ کو قیامت تک کیلئے راحت یا عذاب کا مستقر سمجھنا سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔

جب قرآن وسنت سے ثابت ہوتا ہے کہ جنت ودوزخ مخلوق شدہ ہیں، مرنے کے بعد انفرادی آخرت کی صورت میں ہر شخص کی اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی ہونی ہے، ہر شخص سے مرتے ہی مختلف انداز سے سوال جواب کا سلسلہ ہونا ہے اور بالآخر ہر انسان کو چاہے وہ طیب ہو یا ظالم، موحّد ہو یا مشرک، مرتے ہی جنت یا دوزخ میں جانا ہے تو پھر کیوں اُن احادیث سے غلط استدلال کیا جاتا ہے جن میں مرنے کے بعد کسی مقام کا تذکرہ کیے بغیر راحت یا عذاب سے دوچار ہونے کا بیان ملتا ہے، حالانکہ جب قرآن کی کوئی ایک آیت یا کسی ایک صحیح حدیث سے بھی مرنے کے بعد ملنے والے مقام کیلئے جنت یا جہنم کا لفظ مل جائے تو پھر ہمیں سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا کا ثبوت دیتے ہوئے عقلی دلائل، اجتہادی قیاس آرائیوں اور بے بنیاد اقوال وملفوظات کو پسِ پشت ڈال کر نصِ صریح کے مطابق اپنا عقیدہ بنالینا چاہیے۔

حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ وہاں چونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے عذاب دیے جانے والوں کیلئے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں "یفعل بہ الی یوم القیامۃ" یعنی یہ ہوتا رہے گا اس کے ساتھ تا یوم قیامت، چنانچہ قیامت تک عذاب دیے جانے کا مقام جہنم کے سوا ہے۔ حالانکہ اس حدیث میں عذاب کے مقام کا نام نہیں ذکر کیا گیا البتہ عذاب کی مدت کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بات بالکل قرآن وسنت کے دیگر احکامات سے مطابقت رکھتی ہے کہ مرنے کے بعد جہنم کا عذاب یا جنت کی راحت کا سلسلہ پہلے صور کے پھونکے جانے تک کا ہے پھر قیامت کے دن اجتماعی حساب کتاب کے بعد جہنمیوں کو جہنم میں پہلے سے زیادہ شدید عذاب میں مبتلا کیا جائیگا، اسی طرح جنتیوں کو جنت میں پہلے سے زیادہ راحت ومراعات سے نوازا جائیگا۔ سورۃ المؤمن میں مالک کا فرمان ہے:

اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ ۚ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ﴿المؤمن:۴۶﴾

"آگ ہے جس پر پیش کیے جاتے ہیں صبح وشام اور جب برپا ہوگی قیامت کی گھڑی (کہا جائیگا) داخل کرو آلِ فرعون کو شدید تر عذاب میں"۔

ان دونوں آیات میں قیامت سے پہلے اور قیامت کے بعد کا مقام "النار" یا "جہنم" يُّضٰعَفۡ لَهُ الۡعَذَابُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَيَخۡلُدۡ فِيۡهٖ مُهَانًا

"(کسی بھی مشرک، قاتل اور زانی کو) قیامت کے دن کئی گنا عذاب دیا جائیگا او وہ رُسوا ہو کر ہمیشہ اُسی میں رہے گا" بتایا گیا ہے ساتھ ہی اس امر کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ:

اوّلاً: اس عذاب میں پہلا مرحلہ قیامت تک کا ہے،

ثانیاً: قیامت کے بعد کے مرحلے میں اسی مقام میں پہلے سے زیادہ عذاب دیا جائیگا۔ مرنے کے بعد جو جہنم میں نسبتاً ہلکا عذاب دیا جائیگا اُس کے بارے میں کفار وگناہ گار مؤمنین کو مہیّا کردہ اجسام کے متعلق یہ ضرور ملتا ہے کہ وہ اجسام مستقل عذاب دیئے جانے کے باوجود قیامت تک فنا نہ ہونگے، مگر قیامت کے بعد کفار کو مہیا کردہ اجسام کی ضخامت کو بالخصوص بیان کر کے عذاب کی شدت کو باور کرایا گیا ہے:

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ضرس الکافر او ناب الکافر مثل احد وغلظ جلدہ مسیرۃ ثلاث"۔

(مسلم: کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا)

''ابوہرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کافر کی ڈاڑھ یا کچلی (کیلا) احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی کھال کی موٹائی تین دن کی راہ ہوگی''۔

جہنمیوں کو اتنے بڑے جسم دینے کی خصوصیت اس لئے نہیں بیان کی گئی کہ کسی طرح کے دیومالائی ماحول کا تصور ہو بلکہ اس لئے بیان کی گئی ہے کہ جہنمی کے ضخیم جسم کے ایک ایک جز پر زیادہ سے زیادہ عذاب دیا جائے، اسی موضوع کی دیگر احادیث سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے۔

جس طرح جہنم میں قیامت سے پہلے نسبتاً ہلکا عذاب اور قیامت کے بعد شدید عذاب ہوگا اسی طرح جنت میں بھی قیامت سے پہلے راحت و تکریم میں کمی اور قیامت کے بعد اس میں اضافہ ہوگا۔ قیامت سے پہلے نبی کریم ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کو جنت میں بوڑھا دیکھا جبکہ قیامت کے بعد کوئی جنتی بوڑھا نہ ہوگا جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے:

"من يد خل الجنة ينعم لا ييأس لاتبلىٰ ثيابه ولايفنى شبابه"۔

(مسلم: كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها، باب فى دوام نعيم اهل الجنة)

''جو شخص جنت میں داخل ہوگا خوش (ہو کر ہی) جیے گا، مایوس نہیں ہوگا، نہ کبھی اس کے کپڑے گلیں گے اور نہ ہی اس کی جوانی ختم ہوگی''۔

قیامت سے پہلے نبی کریم ﷺ نے شہدائے احد رضی اللہ عنہم کے بارے میں بتایا کہ وہ جنت میں سبز پرندوں کے قالب میں ہیں جبکہ قیامت کے بعد جنت میں ہر انسان آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔ عین فرمانِ نبوی کے مطابق:

''......قال فكل من يدخل الجنة على صورة آدم وطوله ستون ذراعا..........''۔ (مسلم: كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها)

''فرمایا تو جو کوئی جنت میں داخل ہوگا وہ آدم کی صورت پر ہوگا اور اُس کا قد ساٹھ ہاتھ ہوگا......''۔

مذکورہ تمام دلائل سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ کہ جنت و جہنم عارضی نہیں ہیں بلکہ مستقل ہیں، مخلوق شدہ ہیں البتہ قیامت سے پہلے جنت و دوزخ میں انسانوں کا مرنے کے بعد کا قیام ضرور عارضی ہوگا اور اس عارضی قیام میں اُن پر پیش آنے والے معاملات کو ہی عذاب القبر یا راحت سے موسوم کیا گیا ہے اور وہ اس لیے کہ انسانوں کا جنت و جہنم میں یہ عارضی قیام ''زمانۂ قبر'' میں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں جہنم کے لیے فرمایا:

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿الفرقان:۶۶﴾

''بے شک وہ (جہنم) بدترین جگہ ہے ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے''۔

اسی طرح جنت کے لئے فرمایا

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿الفرقان:۷۶﴾

''اس میں ہمیشہ رہیں گے بہترین جگہ ہے ٹھہرنے اور رہنے کے لیے''۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دو یعنی جہنم و جنت کو مستقر بھی کہا ہے اور مقام بھی۔

فرمانِ الٰہی ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿الانعام:۹۸﴾

''اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے پھر ایک جگہ ہے ٹھہرنے کی اور ایک جگہ سپرد ہونے کی، یقیناً ہم نے سمجھنے والوں کے لیے آیات کھول کھول کر بیان کی ہیں''۔

مفسرین نے مستقر کے معنی رَحِمِ مادر یا زمین کے کیے ہیں اور ان دونوں جگہوں میں انسان کا ہمیشہ قیام نہیں ہوتا۔ سورۃ فرقان ہی میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے مستقر کا لفظ بھی استعمال کیا ہے:

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿الفرقان:۲۴﴾

''اس دن جنتیوں کا ٹھکانا بہتر ہوگا اور قیلولے کی جگہ بھی خوب ہوگی''۔

اس آیت کے سیاق وسباق کو سمجھنے کے لیے اگر پچھلی آیات سے اس آیت کو ملا کر غور کریں تو آیت نمبر ۲۱ سے ایک تسلسل کے ساتھ مالکِ کائنات فرماتے ہیں: ''اور جنہیں ہماری ملاقات کی چاہت نہیں انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے یا ہم اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ لیتے، ان لوگوں نے اپنے آپ کو ہی بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور سخت سرکشی کی ہے۔ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے اُس دن ان گناہ گاروں کو کوئی خوشی نہیں ہوگی اور کہیں گے (کہ ہم) محروم ہی محروم کیے گئے۔ اور انہوں نے جو اعمال کیے تھے پس ہم نے بڑھ کر اُنہیں پراگندہ ذرّوں کی طرح بکھیر دیا، ہاں اُس دن (فرشتوں کو دیکھنے والے دن) جنتیوں کا ٹھکانہ بہتر ہوگا اور قیلولے کی جگہ بھی خوب ہوگی''۔

اس مسلسل بیان سے جنت کا مستقر ہونا، اللہ تعالیٰ کی ملاقات یعنی موت کے وقت اور قیامت سے پہلے ہی ظاہر ہونا، نیز فرشتوں کو دیکھنے والا دن بھی موت کے دن کی ہی طرف اشارہ کرتا ہے، جیسا کہ قرآن میں کئی جگہ فرشتوں کے ظاہر ہونے کے دن کو موت کا دن بتایا گیا ہے۔

گزشتہ صفحات میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ محکمات کے ہوتے ہوئے، متشابہات سے ہرگز استدلال نہیں کرنا چاہیے کہ اس اَمر سے خود اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرما دیا تھا، ہاں جہاں اگر متشابہ اُمور کا سمجھنا ناگزیر ہو تو اُنھیں قرآن کی محکم آیات یا صحیح احادیث ہی کی روشنی میں سمجھنا چاہیے کہ اس طرح ایک مؤمن کی عقل، قیاس، اجتہاد یا رائے......نص ہی کے تابع ہوگی۔ چنانچہ اسی اُصول کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، انسان کی موت سے قیامت تک کے معاملات، عذاب یا راحت سے دوچار ہونا اور انسان کے اِس عارضی قیام کی جائے وقوع کا ''جائزہ'' قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کیا گیا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

کوئی انسان اپنی پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبہ نہیں کرسکتا کہ اُسے سب سے افضل مخلوق بنایا جائے ،مگر بغیر اس مطالبے کے بھی اللہ تعالیٰ اسے کوئی حقیر یا بدترین مخلوق بنانے کی بجائے انسان بنا کر، عزّت وشرف عطا فرما کر اس پر احسانِ عظیم فرما دیتا ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾

﴿بنی اسرائیل:۷۰﴾

”یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو بڑی عزّت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں میں سے روزی دی اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا کی“۔

بے شمار دوسری مخلوقات پر فضیلت پانے کے بعد حق تو یہ تھا کہ انسان اپنے محسن ربّ کا بہت ہی شکر ادا کرتا، اُس کی رضا وخوشنودی کے حصول کو اپنی زندگی کا مقصد بناتا اور اس کے لیے پوری کوشش کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر اپنی جان نچھاور کرتا، اس کی زندگی کا ہر گوشہ اور ہر فعل اس بات کا ثبوت ہوتا کہ یہ اپنے ربّ کی بندگی کر رہا ہے، اپنے ربّ کے احسانات کا شکر ادا کر رہا ہے، اعمالِ صالحہ کے ذریعے اپنی روح کو پاکیزہ رکھنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے اور اسی پاکیزگی کے ساتھ اپنے ربّ کی طرف لوٹنا چاہتا ہے۔ سو اسی طرزِ زندگی کی تعلیم دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے پاس اپنے رسولوں کو احکامات دے کر بھیجا اور خبردار کر دیا کہ:

لِلَّذِينَ ٱسْتَجَابُوا۟ لِرَبِّهِمُ ٱلْحُسْنَىٰ ۚ وَٱلَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا۟ لَهُۥ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُۥ مَعَهُۥ لَٱفْتَدَوْا۟ بِهِۦٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ سُوٓءُ ٱلْحِسَابِ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمِهَادُ ﴿١٨﴾

﴿الرّعد۔۱۸﴾

”جن لوگوں نے اپنے ربّ کے حکم کی بجا آوری کی ان کے لیے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے بجا آوری نہ کی اگر ان کے لیے زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ ہو اور اسی کے ساتھ ویسا ہی اور بھی ہو تو وہ سب کچھ اپنے بدلے میں دے دیں (پھر بھی انہیں نجات نہیں ملے گی)۔ یہی ہیں جن کے لیے بُرا حساب ہے اور جن کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بہت بُری جگہ ہے“۔

سَيَذَّكَّرُ مَن يَخْشَىٰ ﴿١٠﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا ٱلْأَشْقَى ﴿١١﴾ ٱلَّذِى يَصْلَى ٱلنَّارَ ٱلْكُبْرَىٰ ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿١٣﴾

﴿الاعلیٰ:۱۰ تا ۱۳﴾

”(اپنے ربّ سے) ڈرنے والا تو نصیحت لے گا۔ بدبخت اس سے گریز کرے گا۔ جو بڑی آگ میں جائے گا۔ جہاں پھر نہ وہ مرے گا نہ جیے گا“۔

إِنَّهُۥ مَن يَأْتِ رَبَّهُۥ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُۥ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿٧٤﴾ وَمَن يَأْتِهِۦ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلدَّرَجَٰتُ ٱلْعُلَىٰ ﴿٧٥﴾ جَنَّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَآءُ مَن تَزَكَّىٰ ﴿٧٦﴾

﴿طٰہٰ:۷۴ تا ۷۶﴾

”بات یہی ہے کہ جو بھی گنہگار بن کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوگا اس کے لیے دوزخ ہے، جہاں نہ وہ مرے گا نہ جیے گا، اور جو بھی اُس کے پاس ایمان کی حالت میں حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی نیک کیے ہوں گے اس کے لیے بلند و بالا درجے ہیں، ہیشگی والی جنتیں جن کے نیچے نہریں ہیں جہاں وہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے، یہی انعام ہے ہر اُس شخص کا جو پاک ہوا۔“

مگر فی الامرِ واقعہ انسانوں کی اکثریت نے اپنے ربّ کے احکامات ماننے سے انکار کر دیا:

الٓمٓر ۚ تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱلْكِتَٰبِ ۗ وَٱلَّذِىٓ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ٱلْحَقُّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١﴾

﴿الرّعد:۱﴾

”ا ل۔م۔ر۔ (اے نبی) یہ قرآن کی آیات ہیں، اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے ربّ کی جانب سے اُتارا جاتا ہے سب حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے“۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا۟ فَأَبَىٰٓ أَكْثَرُ ٱلنَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٥٠﴾

﴿الفرقان:۵۰﴾

”اور یقیناً ہم نے ان کے درمیان (حق بات کو) طرح طرح سے بیان کیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں، مگر پھر بھی اکثر لوگوں نے سوائے ناشکری کرنے کے نہیں مانا“۔

بلکہ انہوں نے تو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ کا مذاق اُڑایا:

وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ‌ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِيُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَـقَّ‌ وَاتَّخَذُوۡۤا اٰيٰتِىۡ وَمَاۤ اُنۡذِرُوۡا هُزُوًا ۝

﴿الکہف۔۵۶﴾

''ہم تو اپنے رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ خوشخبریاں سُنا دیں اور ڈرا دیں۔کفار باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں اور (چاہتے ہیں کہ) اس سے حق کو لڑکھڑا دیں، انہوں نے میری آیات کو اور جس چیز سے ڈرایا جائے اسے مذاق بناڈالا ہے''۔

اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نافرمانی اور ناشُکری (شرک) کو ہی انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے:

وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ ۝

﴿یوسف:۱۰۶﴾

''ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے باوجود مشرک ہیں''۔

اب یہ فوت شدہ نبیوں اور ولیوں سے لے کر جنّات، گائے کے سینگ، کالے پیلے دھاگوں، گھوڑے کے نعل، خوبصورت پتھروں، گیدڑ سینگی اور دوسری بے شمار چیزوں کی پرستش میں مبتلا ہیں (گیدڑ سینگی یا سیار سینگی گیدڑ کے سر کے بالوں کا چھوٹا سا گچھا ہوتا ہے جس کے بارے میں معاذ اللہ یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ جس کے پاس یہ بال ہوں اُس کی قسمت اچھی ہو جاتی ہے، مالدار بن جاتا ہے، دشمن زیر ہو جاتے ہیں، لوگ محبوب بن جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ)۔

اس مُردہ پرستی و اشیاء پرستی پر لوگوں کو جمائے رکھنے میں تمام فرقوں سے تعلق رکھنے والے مولویوں اور پیروں کا سب سے بڑا کردار ہے۔خصوصاً یمنی یہودی عبداللہ بن سبا کے اس اُمّت میں جاری کئے ہوئے پیری مُریدی والے باطل دین یعنی تصوّف نے انسانوں کے ایمانوں کو ایسا برباد کیا ہے کہ اس بربادی کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس اُمّت کو آخری اُمّت بنانا اور ان کے بعد دنیا کا نظام ختم کر دینا ''حق'' اور بہتر ہے۔اب تو خود کو اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں شریک، نیز گزشتہ اور موجودہ صوفیوں کے بچھائے ہوئے کفر کے جالوں میں انسانوں کو پھنسائے رکھنے کے لیے...... ''مولویوں اور پیروں'' کی اکثریت ہر جگہ تیار رہتی ہے۔یہ حضرات اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے نادان عوام کو اکابرین کہلانے والے صوفیوں کے رُعب سے نکلنے نہیں دیتے۔اور جب کہیں کسی کو ہدایت کی روشنی دکھائی دے، اور وہ ان صوفیوں کا اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہونے سے انکار کرنے لگے، اور انہیں ہدایت یافتہ کے بجائے دشمنِ دین ماننے لگے تو پھر ایسے شخص کو ایمان کی روشنی سے دُور لے جانے کے لیے یہی ''مولوی اور پیر'' جھوٹ، مکر و فریب، منطق اور لفاظی کے اوزار لے کر میدان میں اُتر پڑتے ہیں۔لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے، حق کے سچے متلاشی اور باشعور انسان، ان کی کوششوں کو دیکھ کر اچھی طرح جان جاتے ہیں کہ یہ صوفیوں کے کفر و شرک پر پردے ڈالنے اور انہیں مواخذے سے بری قرار دے کر ان کی پاکی بیان کرنے کی بے بنیاد اور مکّارانہ کوششوں کے سوا اور کچھ نہیں۔دیگر فرقوں کی طرح فرقہ ''اہلِ حدیث'' بھی اس ذمّہ داری کو بھرپور ادا کرتا رہتا ہے۔لہٰذا اس سلسلے میں ان کی ایک اور کوشش یعنی پانچویں صدی کے صوفی عبدالقادر جیلانی کی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' کے نئے اردو ترجمے کی صورت میں سامنے آئی ہے۔غنیۃ الطالبین عبدالقادر جیلانی کی وہ تصنیف ہے جس میں دینِ اسلام کی بہت سی تعلیمات کی تشریح و توضیح حنبلی فقہ کے تحت کی گئی ہے جس کا اظہار مختلف مسائل کے ذیل میں نظر آتا ہے۔دینِ تصوف کے لحاظ سے یہ کتاب بحرِ ذخّار کی حیثیت رکھتی ہے، اسی لیے مسالکِ ثلاثہ کی جان بلکہ رگِ جان ہے۔کفر و شرک، بدعات اور تقلیدِ اعمٰی کی دعوت سے بھری اس کتاب کی تعلیمات کو تر و تازہ اور جاری رکھنا چونکہ اہلِ حدیثوں کا مسلکی فرض ہے، اس لیے اس کتاب کا ایک اور ترجمہ کر کے شائع کرنا ان کے لیے بے حد ضروری تھا۔یوں تو ''اہل حدیث'' تقلید کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور بڑے شدّ و مد سے صرف فقہ حنفی پر تنقید کرتے ہیں، مگر ''ممدوح شیخ'' کی یہ کتاب جو کہ فقہ حنبلی کی ترجمان ہے، اپنی ''تائید'' میں پیش کرتے ہیں کیونکہ اس کتاب میں فقہ حنفی کی مخالفت اور مسلک اہلِ حدیث کی تائید میں بکثرت مواد موجود ہے۔اس کے علاوہ اس کتاب کو تائیداً پیش کرنے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ (چونکہ اہل حدیث کہلانے والے) حکومت سعودی عرب میں یہ لوگ مختلف دینی مناصب پر براجمان ہیں اور اس خدمت کا معاوضہ ''اجرِ کثیر'' کی صورت میں وصول کرتے ہے...... تو یہ سب کچھ سمیٹتے ہوئے اب کیونکر فقہ حنبلی پر تنقید ہو۔

کتاب کا ترجمہ مبشر حسین لاہوری نے کیا ہے اور نعمانی کتب خانہ (حق اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور) سے شائع کیا گیا ہے۔کتاب کے سرِ ورق پر ''مع فوائد اضافی'' کے الفاظ درج ہیں۔اس ترجمے میں باوجود عبدالقادر جیلانی کی بدعقیدگی کے ان کو قرآن و حدیث کے مواخذے سے بچانے کے طریقے بتائے گئے ہیں، لہٰذا یہی وہ ''فوائد اضافی'' ہیں جو انہوں نے اپنے مبلغین و متبعین کو کسی موحد سے پالا پڑنے کی صورت میں استعمال کرنے کے لیے فراہم کیے ہیں۔یہ سب کچھ کرنے والے یہی ''اہلِ حدیث'' ہیں جو قرآن و حدیث کو اپنے لیے حرفِ آخر قرار دینے کی باتیں کرتے نہیں تھکتے اور مُشرکوں اور بدعتیوں سے علیٰحدگی و بیزاری ظاہر کرنے کے لیے اپنی علیٰحدہ مسجد بھی بنا دیتے ہیں!

عبدالقادر جیلانی کا دفاع کرنا اہلِ حدیثوں کو اس لیے بھی بہت پسند ہے کہ ان کے عقائد و اعمال میں ''ہزار عیب'' سہی مگر وہ صلوٰۃ میں رفع الیدین کے قائل تھے، اور طبقہ اہلِ حدیث کی تعریفیں کر چکے ہیں۔لہٰذا دُور کا یہ مذہبی رشتہ قائم ہونے کے بعد ''عبدالقادر جیلانی'' ان کے ہاں قابلِ مواخذہ نہیں بلکہ ان کے ''مسلکی محرم'' ہی ہیں۔یہاں تک کہ یہ اہلِ حدیث کہلانے والے امام کے پیچھے مقتدی کے لیے بھی سورۂ فاتحہ کی قراءت کو لازمی قرار دینے اور اس کے بغیر صلوٰۃ کو باطل قرار دینے کے اپنے خودساختہ اصول

کو بھی ''ممدوح شیخ'' کی خاطر نظر انداز کر گئے ہیں، جیسا کہ صفحہ ۵۳۰ پر حاشیے میں ایسی صلوٰۃ کو باطل تو قرار دیا ہے لیکن اسی صفحے پر ''شیخ'' کی اس نصیحت کے باوجود کہ مقتدی امام کے پیچھے خاموش رہ کر قراءت سُنے، (اپنے مسلک کے خلاف) اس اصول پر کوئی فتویٰ نہیں لگایا۔ بے شک صلوٰۃ میں رفع الیدین کرنا نبی ﷺ کی سُنّت ہے، لیکن شرکیہ عقائد رکھنے والے احبار و رہبان کا اس سُنّتِ مبارکہ سے کیا تعلق؟ اُن پر تو صلوٰۃ ہی فرض نہیں اور انہیں اذان دینا بھی زیب نہیں دیتا بلکہ وہ تو مسجد کی تعمیر کے لیے ایک اینٹ رکھنے کا حق بھی نہیں رکھتے:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝
﴿التوبہ:۱۷﴾

''مشرک اللہ تعالیٰ کی مسجدیں تعمیر کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے، یہ اپنے اوپر کفر کے گواہ ہوتے ہیں، ان کے اعمال تو (بے فائدہ و) غارت ہیں، اور وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں''۔

اسلام کا پہلا اور بنیادی مسئلہ توحیدِ باری تعالیٰ ہے نہ کہ مسئلہ رفع الیدین۔ اسی لیے شرکیہ عقائد چھوڑ کر اور عقیدۂ توحید کا اقرار کرتے ہوئے ہی اسلام میں داخل ہوا جاتا ہے نہ کہ رفع الیدین کر کے۔

دراصل محدثین نے حدیث سے متعلقہ علوم کی مہارت رکھنے والے مخصوص طبقے کے لیے ''اہلِ حدیث'' کی اصطلاح استعمال کی تھی، جیسا کہ تفسیر کا علم رکھنے والوں کو ''اہلِ تفسیر'' اور فقہ کے اُصول جاننے والوں کو ''اہلِ فقہ'' کہا جاتا ہے۔ لیکن فرقہ اہل حدیث کے بانیوں نے محض فرقہ سازی کے لیے اس اصطلاح کا ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ چنانچہ ان کے ہاں جماعت کا ہر فرد ''اہلِ حدیث'' کہلاتا ہے، چاہے اُسے علمِ حدیث سے کوئی سروکار ہی نہ ہو اور اسے گنتی کی چند جھوٹی سچی روایتیں یاد ہوں، یا چاہے وہ دودھ پیتا بچہ ہی کیوں نہ ہو!۔ انہیں اگر کوئی ایسا اچھا یا بُرا مل جاتا ہے جس نے ماہرینِ حدیث کو اہل حدیث کہہ کر ان کی تعریف کی پھر تو اسے اپنا ہم مسلک ثابت کرنے پر تُل جاتے ہیں۔

عبدالقادر جیلانی نے اپنی کتاب کی ابتدا جن سطور سے کی ہے اُن میں اس کتاب کے لکھنے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ ان کے بعض دوستوں نے ان سے اس کتاب کے لکھنے کا بے حد اصرار کیا تھا، یہ لکھنے کے بعد وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ:

''ووجدت له نيّة صادقة صدرت من فتوح الغيب في اجابته الى ذٰلک''

(مقدمة المولف، صفحه ۹، ناشر: دارالكتب العلميه بيروت)

''میں نے ان کی اس درخواست کو قبول کرنے کے لیے ان کی نیت کو غیبی انکشافات ہونے پر سچا جان لیا''۔

یعنی کتاب کی ابتدا ہی میں غیب دانی کا دعویٰ کر کے انہوں نے خود کو اللہ ربّ العزّت کا شریک قرار دے دیا اور اللہ ربّ العزّت کے ان تمام فرامین کا انکار کر دیا جن کے مطابق اُس کے سوا اور کوئی دِلوں کے حال جاننے والا یا عالم الغیب نہیں۔ مثلاً:

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
﴿الحدید:۶﴾

''وہی رات کو دن میں لے جاتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور سینوں کے بھیدوں کا وہی جاننے والا ہے''۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
﴿الملک:۱۳﴾

''بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) سینوں کی پوشیدگیوں کو جانتا ہے''۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ
﴿النمل۔۶۵﴾

''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا''

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ
﴿الانعام:۵۹﴾

''اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہی غیب کی کنجیاں ہیں، جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا''۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ
﴿الشوریٰ:۱۱﴾

''نہیں ہے اُس (اللہ) کے مثل جیسی بھی کوئی چیز''

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝
﴿الاخلاص:۴﴾

''کوئی اُس (اللہ) کا ہمسر نہیں''۔

اب دیکھیے! مبشر حسین کے کیے ہوئے ترجمے میں بھی غیب دانی کا دعویٰ اپنے پورے زور کے ساتھ واضح ہے:

''چونکہ میں نے ازراہِ کشف ان کے ارادوں کو سچا جانا اور ان کی درخواست قبول کر لی۔'' (صفحہ ۵۲)

اس عبارت سے کچھ ثابت ہوتا ہے یا نہیں مگر یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی کو اپنی ''بلندیٔ شان'' کو بیان کرنا ہو تو ان جملوں یا اس جیسے دوسرے جملوں کو اپنی کتاب کا جزو لازم بنانا چاہیے تا کہ کسی کو شبہہ نہ رہے کہ ''حضرت'' کس پایے کے ''ولی'' تھے۔ رہی یہ اصطلاح، (الہامِ غیبی) تو اسے تاویل کی سان پہ چڑھا کر کچھ بھی مطلب اخذ کیا جاسکتا ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ وہ بلاوجہ اپنا ذہن ان احادیث کی طرف نہ لے جائیں جن میں الہام کا غیر نبی سے ثابت ہونے کا انکار ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ''شیخ ممدوح'' کی ذات پر حرف آئے گا۔ اس لیے ہماری ''اہلحدیث'' کے افراد سے درخواست ہے کہ وہ جان لیں کہ ان کے ''شیخ'' صرف صوفی ہی نہیں بلکہ صوفیاء کے سرخیل تھے اور اہل حدیث کے وہ ''مصنفین'' جو تصوف پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں وہ جان لیں کہ ''شیخ'' سے صرف نظر کر کے وہ تصوف پر کچھ بھی نہ لکھ سکیں گے، اس لیے آج ''غنیۃ الطالبین'' کو تائیداً پیش کرنے سے پہلے تصوف پر دوبارہ نظر ڈال لیں تا کہ کل پچھتاوا نہ ہو۔

چاہیے تو یہ تھا کہ مبشر صاحب کتاب کی ابتدا میں ہی موجود اس واہی تباہی کو دیکھ کر وہیں رُک جاتے، قلم رکھ دیتے، ترجمہ کرنے کا اُخروی انجام سوچ کر ڈر جاتے، ترجمہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے، باز آنے کی توفیق مل جانے کو اللہ تعالیٰ کا احسان مان کر اُس کا شکر ادا کرتے۔ لیکن، وہ نہ رُکے، ترجمہ کرتے رہے یہاں تک کہ پوری کتاب کا نہ صرف ترجمہ کر ڈالا بلکہ اسے چھپوا بھی دیا اور پھر تقسیم بھی کر دیا اور اس طرح گویا ثابت کر دیا کہ بعض ''دل'' پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں جو اپنے پیدا کرنے والے اور پالنہار مولیٰ کا یہ حکم اور تنبیہ پس پُشت ڈال گئے کہ:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

﴿المائدہ:۲﴾

''اور گناہ وزیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے''۔

مبشر صاحب پیش لفظ میں ''فوائد اضافی'' کی ابتدا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام سے کون واقف نہیں۔ علمی مرتبہ، تقویٰ وللّٰہیت اور تزکیۂ نفس کے حوالہ سے شیخ کی بے مثال خدمات چہار دانگ عالم میں عقیدت واحترام کے ساتھ تسلیم کی جاتی ہیں۔ مگر شیخ کے بعض عقیدت مندوں نے فرطِ عقیدت میں شیخ کی خدمات وتعلیمات کو پس پشت ڈال کر ایسا متوازی دین وضع کر رکھا ہے جو نہ صرف قرآن وسنت کے صریح خلاف ہے بلکہ خود شیخ کی مبنی برحق تعلیمات کے بھی منافی ہے'' (صفحہ:۱۷)۔

درحقیقت یہ چہار دانگ عالم میں رہنے والوں کی ''اکثریت'' علمی مرتبہ، تقویٰ وللّٰہیت اور تزکیۂ نفس کے معنی ومفہوم کو جانتی ہی نہیں ورنہ وہ کسی ایسے شخص کے لیے ذرا سا بھی عقیدت کا جذبہ نہ رکھتے جو دلوں کا حال جاننے کا دعویٰ کر کے خود کو اپنے ربّ کی صفات میں شریک قرار دے۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر یقین رکھتے:

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ

﴿البقرہ:۹۹﴾

''اور یقیناً ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف روشن دلیلیں بھیجی ہیں جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا''۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ

﴿الحج:۳۱﴾

''اور جس نے اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک مقرر کیا تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، اب یا تو اُسے پرندے اُچک لے جائیں گے یا ہوا اسے کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے گی''۔

''شیخ ممدوح'' کی تعلیمات کو ان کے عقیدت مندوں نے بھلا کب پسِ پُشت ڈالا! یہ تو ان کو سامنے رکھ کر ہی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہر طرف اسی دین کے ہی تو چرچے ہیں جسے اپنانے کی ''شیخ'' نے اور دوسرے صوفیوں نے دعوت دی۔ چاہے مبشر صاحب کی طرح صوفیوں کے دفاع کے لیے قرآن وحدیث کے احکامات کی خلاف ورزی ہو، چاہے صوفیوں کو دلوں کے راز جاننے والا ماننا ہو، تعویذات کے شرک میں مبتلا ہونا ہو، یہ تعلیم اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۰ پر دی گئی ہے۔ اسی طرح چاہے ابدالیت اور ابدالوں کا نظامِ کائنات چلانے میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے کے باطل نظریات کو ماننا اور پھیلانا ہو، چاہے عُرس اور قوالیوں میں شرکت بلکہ باادب شرکت کرنا ہو اور وہاں وجد میں آنا (ناچنا) اور کپڑے اُتارنا ہو، صوفیوں کے لیے ہوامیں اُڑنے کو ممکن سمجھنا ہو، ان کے خلافِ شریعت کاموں کے باوجود انہیں قابلِ مواخذہ نہیں بلکہ قابلِ احترام سمجھنا ہو...... ان سب باتوں کی تعلیم اسی کتاب کے آخری یعنی گیارہویں باب میں دی گئی ہے۔ ''شبِ برات'' منانے اور اس کی جھوٹی فضیلتوں پر یقین رکھنے کی تعلیم صفحہ ۳۶۸ سے ۳۷۴ تک دی گئی ہے۔ قیامت سے پہلے ہی مُردوں میں روح پڑ کر ان کے زندہ ہو جانے اور مُردوں کا اپنی قبر پر آنے والوں کو پہچاننے کے خلافِ قرآن عقیدے کی تعلیم صفحہ ۱۷۹ پر دی گئی ہے۔ نبی ﷺ کا دنیاوی زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کے جھوٹے عقیدے کی تعلیم صفحہ ۱۷۸ پر دی گئی ہے۔ صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں:

''شیخ نے تعلیم سے فراغت کے بعد دعوت وتبلیغ، وعظ ونصیحت اور تعلیم وتربیت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا جس اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ آپ نے یہ سلسلہ شروع کیا، اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اللہ نے آپ کے کام میں بے پناہ برکت ڈالی اور آپ کا حلقۂ درس آپ کے دور کا سب سے بڑا تعلیمی وتربیتی حلقہ بن گیا۔ حتیٰ کہ وقت کے حکمران، امراء ووزراء اور بڑے بڑے اہلِ علم بھی آپ کے حلقۂ وعظ ونصیحت میں شرکت کو سعادت سمجھتے۔ جبکہ وعظ ونصیحت کا یہ سلسلہ جس میں خلقِ کثیر شیخ کے ہاتھوں توبہ کرتی، شیخ کی وفات تک جاری رہا...... آپ نے بغداد آنے کے بعد ابوسعید مخرمی حنبلیؒ سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ابوسعید مخرمی کا ایک مدرسہ تھا جو انہوں نے شیخ عبدالقادر جیلانی کے سپرد کر دیا۔''

صفحہ ۲۰ پر ''شیخ'' کی تصانیف پر مختصر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''(۲) فتوح الغیب: یہ کتاب شیخ کے ۷۸ مختلف مواعظ مثلاً توکل، خوف، امید، رضا، احوالِ نفس وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ بھی شیخ کی کتاب ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ''شیخ عبدالقادرؒ نے غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب لکھی ہے۔ ان دونوں کتابوں میں بڑی بڑی اچھی باتیں ہیں، تاہم شیخ نے ان کتابوں میں بہت سی ضعیف اور موضوع روایات بھی درج کر دی ہیں۔''

سچی بات تو یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں ضعیف اور موضوع یعنی من گھڑت روایتوں کی بھرمار ہے اور ایسی روایتوں کے ذریعے تعلیم دینے والا شخص ناسمجھ ہی کہلا سکتا ہے نہ کہ حدیث وفقہ کا عالم۔ ''فتوح الغیب'' کی بہت سی ''بڑی بڑی اچھی باتوں'' میں سے چند یہ ہیں:

''فاعلِ حقیقی تو تمہارے اندر خدا تعالیٰ ہے''۔

(صفحہ ۲۵، مترجم: زبیر افضل عثمانی، ناشر: مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

''جس چیز سے اس نے تمہیں منع کیا ہے اس کو ہرگز ہرگز قبول نہ کرو۔اور اپنی ہر کراہت کو اس کی کراہت کے تابع بنادو۔پھر جب تمہیں اطاعت کا یہ مقام حاصل ہوجائے گا تو پوری کائنات تمہارے تابع فرمان ہوکر رہ جائے گی اور جب تم خدا کی ممنوعہ شے سے احتراز کرو گے تو پھر تم سے ہر ناخوشی دُور کردی جائے گی۔جیسا کہ خدا نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ ''اے بنی آدم !میں ہی صرف معبود ہوں۔میرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔میں جس چیز کو کہہ دیتا ہوں کہ ہوجا بس وہ ہوجاتی ہے اور عدم سے وجود میں آجاتی ہے لہٰذا تم بھی میری خدمت وطاعت کرو تا کہ میں تمہیں بھی ایسا ہی بنادوں کہ جس شے کو کہہ دو کہ ہوجا تو وہ ہوجائے۔'' (ایضاً ،صفحہ ۳۰)

صبر کی ''فضیلت'' بتاتے ہیں کہ:

''لہٰذا صبر ہی دنیا و آخرت میں سلامتی کا باعث ہے اور یہیں سے مومن کو ترقی دے کر رضا و موافقت کی منزل میں داخل کردیا جاتا ہے۔پھر خدا کے افعال میں فنا ہوکر ابدالیت وغیبوبیت کے مقام تک عروج حاصل کرلیتا ہے۔'' (ایضاً ،صفحہ ۶۳)

اپنی زندگی کی قسم کھاتے ہوئے کہتے ہیں:

مقالہ ۶۰ میں لکھتے ہیں:

''قرب الی اللہ اور حصولِ معرفت غیبی اسرار وعلومِ لدنّیہ سے سرفراز ہونے کا نام ہے۔'' (ایضاً ،صفحہ ۱۱۲)

قارئین! ''ممدوح شیخ'' کے اِن دعووں کے برعکس قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فعل کا فاعلِ حقیقی خود ہی ہے،اسی لیے اس کے ہر فعل کا ذمہ دار خود اسی کو ٹھہرایا گیا ہے:

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ﴿الانعام:۱۶۴﴾

''اور جو کوئی جو بھی کام کرتا ہے،وہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے''۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿النحل:۱۱۱﴾

''اس دن ہر شخص خود اپنے (ہی بچاؤ کے) لیے جھگڑتا ہوا آئیگا اور ہر کسی کو اُسی کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور اُن پر ظلم نہ کیا جائیگا''۔

انسان کے کاموں کا فاعلِ حقیقی اس کے بجائے کوئی اور ہوتا تو قیامت کے دن حساب کے لیے انسان کی پیشی اور اسے ہی جزا یا سزا دینا بے انصافی ہوتی،لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ بے انصاف نہیں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿یونس:۴۴﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ کسی پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں''۔

دینِ تصوف کے تحت انسان میں اللہ تعالیٰ کا فاعلِ حقیقی ہونا اور انسان کا اللہ تعالیٰ کے افعال میں فنا ہونا...... ''حلول'' اور ''وحدۃ الوجود'' سے عنوان گمراہانہ نظریات کا اظہار ہیں جن کی تردید ان آیات سے بھی ہوتی ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿بنی اسرائیل:۴۲﴾

''اے نبی (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ مالکِ عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے''۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿الاخلاص:۱﴾

''اے نبی (ﷺ) کہہ دیجئے کہ وہ اللہ اکیلا ہے''۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿طٰہٰ:۵﴾

''الرحمن عرش پر قائم ہے''۔

یعنی اپنی ذات کے اعتبار سے وہ عرش کے نیچے کہیں بھی نہیں ہے، عرش پر وہ اکیلا ہے وہاں اُس کے سوا اور کچھ نہیں۔صاف نظر آتا ہے کہ ''شیخ'' حلول اور وحدۃ الشھود کے نظریات کے پکّے ماننے والے تھے لیکن پھر بھی مبشر صاحب جھوٹ لکھتے ہیں کہ:

''شیخ ایسے گمراہانہ نظریات کے سخت مخالف تھے''۔(صفحہ ۲۸)

''شیخ جیلانی توحید کے زبردست حامی اور شرک وبدعت کے قاطع تھے۔'' (صفحہ ۲۴)۔

اپنی چاہت کو کُن کہہ کر پوری کردینے کی اور جو چاہے کردینے کی صفات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿البقرہ:۱۱۷﴾

''وہ زمین اور آسمانوں کا ابتداءً پیدا کرنے والا ہے ،وہ جس کام کو کرنا چاہے تو بس کہ دیتا ہے کہ ہوجا،تو وہ ہوجاتا ہے''۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿البروج۔۱۶﴾

''اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کردیتا ہے''۔

اگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں ایسی صفات کا پیدا ہونا ممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا:

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿النجم:۲۴﴾

''کیا ہر شخص جو آرزو کرے اُسے میسر ہے؟''۔

وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿یوسف:۱۰۳﴾

''اے نبی (ﷺ) آپ کتنا ہی چاہیں لیکن اکثر لوگ ایمان نہ لائیں گے''۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴿یونس:۱۰۰﴾

''اور کسی شخص کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ممکن نہیں''۔

درج بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پچھلی کتابوں میں بھی ان آیات کے برعکس ایسی کوئی آیت نہ تھی جس سے کسی نیک انسان کو جو چاہتا کُن کہہ کر کر سکنے کی طاقت والا بتایا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ قرآن کو پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا فرماتا ہے:

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿آل عمران:۳﴾

”اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے جو اس سے پہلے نازل شدہ (تمام کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے، اسی نے اس سے پہلے تورات اور انجیل کو اُتارا تھا“

اللہ تعالیٰ پر ایسی جھوٹی تہمتیں لگانا بہت بڑا ظلم ہے:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿الانعام:۱۴۴﴾

”تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل جھوٹی تہمتیں لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا“۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق ”شرک“ ہے:

”جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھائی تو یقیناً اس نے شرک کیا“۔ (ابوداؤد۔ جلد دوم۔ باب: فی کراھیة الحلف بالآباء)

مبشر صاحب نے صفحہ ۲۰ پر ہی جس تیسری کتاب کا تعارف کرایا ہے اس کا نام ”الفتح الربانی والفیض الرحمانی“ ہے۔ اس کتاب میں بھی ”شیخ“ اپنے دعوائے غیب دانی کا شوق پورا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”اگر حکم کا پابند نہ ہوتا تو میں بتا دیتا جو کچھ تمہارے گھروں میں ہے“۔ (صفحہ ۱۴، مجلس ۲، فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی، مدینہ پبلشنگ کمپنی)

صفحہ ۲۰ پر ہی چوتھی کتاب ”الفیوضات الربانیہ“ کو ان کی کتاب ماننے سے انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فی الحقیقت یہ آپ کی تصنیف نہیں بلکہ اسے اسمٰعیل بن سید محمد القادری نامی ایک عقیدت مند نے جمع کیا ہے جیسا کہ اس کے مطبوعہ نسخے سے اس کی تائید ہوتی ہے اور ویسے بھی اس میں ایسے شرکیہ وظائف و اوراد اور بدعات و خرافات پر مبنی اذکار ہیں کہ جن کا صدور شیخ سے ممکن ہی نہیں...... واللہ اعلم“۔

لیکن اسی کتاب کی پشت پر حکیم محمد صادق سیالکوٹی کے حوالے سے اسے ”شیخ“ ہی کی کتاب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

”آپؒ کی دیگر مشہور تصانیف میں، فتوح الغیب، الفیوضات الربانیہ، الفتح الربانی، بشائر الخیرات (معجم المطبوعات) شامل ہیں“۔

صفحہ ۴۴ پر بھی ”دائرۃ المعارف“ کے حوالے سے اسے ”شیخ“ کی ہی تالیفات میں شمار کیا ہے۔

”شیخ“ کے کفر و شرک اور بدعات و خرافات میں مبتلا ہونے کے ناقابل تردید ثبوت ان کی اپنی کتابوں میں موجود ہونے کے باوجود، ان سے ان کا صدور ناممکن ہونے کی بات پر کوئی دل کا اندھا ہی یقین کرے گا۔ برصغیر کی ایک اور شخصیت شاہ ولی اللہ کا حال بھی ”ممدوح شیخ“ کی طرح کا ہے، جنہیں تمام فرقے اور مسالک اپنا خیال کرتے ہیں، انہوں نے ”شیخ“ کی طرح ہر فرقے کو راضی رکھنے کے لیے اپنی کتاب میں مواد بھر دیا ہے اور اس طرح ”اہلِ حدیث حضرات“ کا ان کی کتابوں کے بارے میں خیال ہے کہ فلاں کتاب ان کی تصنیف نہیں ہے کیونکہ وہ کفر و شرک سے بھرپور ہے گویا کہ ان کے لیے بھی کہنا چاہتے ہیں کہ ان سے ایسی باتوں کا صدور ممکن نہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عبدالقادر جیلانی ہوں یا خاندان شاہ ولی اللہ، یہ سب ہی تصوف کے دلدادہ اور اساطین تصوف تھے۔ دفاع کا یہ انداز کہ سب کچھ نظر آنے کے بعد بھی تظر تغافل برتی جائے اور ممکن و ناممکن کی تاویل سے ممدوح کو بچانے کی کوشش کی جائے، سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ”اہلِ حدیث حضرات“ کے نزدیک اللہ ربّ العزت کا کوئی وقار نہیں کیونکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ برملا ”شیخ“ کے عقائد و نظریات سے انکار کیا جاتا اور کفر بالطاغوت کے قرآنی حکم پر عمل ہوتا، مگر بُرا ہو اس تقلیدِ شخصی کا جس کے شکار ”اہلِ حدیث حضرات“ بھی نظر آتے ہیں۔

کسی طرح کے بھی کفر کا صدور صرف انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام سے ناممکن ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿آل عمران:۷۹، ۸۰﴾

”کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب ربّ کے بندے بن جاؤ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے (اپنے) کتاب پڑھنے کے باعث۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم دے، کیا وہ تمہارے مسلم ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا؟“

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿النحل:۴۹، ۵۰﴾

”یقیناً آسمان اور زمین کے کل جاندار اور تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کرتے ہیں اور ذرا بھی تکبر نہیں کرتے۔ اور اپنے ربّ (کے ڈر) سے جو ان کے اوپر ہے کپکپاتے رہتے ہیں اور جو حکم مل جائے اس کی تعمیل کر دیتے ہیں“۔

مبشر صاحب کے دعوے میں یا تو قادیانیت کا اثر ہے جس کی وجہ سے وہ ”ممدوح شیخ“ کو نبی یا مثل نبی سمجھتے ہیں یا پھر ان مشرکینِ پاکستان و چہار دانگ عالم کا اثر ہے جو اپنے مزعومہ اولیاء کو مافوق البشر مانتے ہیں۔

اہلِ حدیثوں کے ان ”شیخ صاحب“ کے عقائد و نظریات اور ان کی تعلیمات دیکھ کر یہ باتیں بھی کھل جاتی ہیں کہ انہوں نے بغداد والوں کا

ایمان خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور آج تک اُن کے معتقدین نے اُن کی تحاریر کے مطابق بڑی عقیدتمندی کے ساتھ کفریہ شرکیہ عقائد اپنانے کا سلسلہ روا رکھا ہوا ہے اور یہ ظلم بھی کیا گیا کہ جو شخص مدرسے کا دربان بنائے جانے کا اہل بھی نہ تھا پورا مدرسہ ہی اس کے سپرد کر دیا گیا!

صفحہ ۲۲ پر "شیخ کے عقائد و نظریات اور تعلیمات" کے عنوان سے "شیخ" کی کتابوں سے توحید و سنت سے تعلق رکھنے والی چند باتیں نقل کر کے مبشر صاحب صفحہ ۲۶ پر فیصلہ دیتے ہیں کہ:

"لہٰذا اب یہ فیصلہ کرنا چنداں مشکل نہیں کہ شیخ صحیح العقیدہ مسلمان تھے"۔

کاش! وہ واقعی صحیح العقیدہ ہوتے تو یہ سطور نہ لکھنی پڑتیں۔

صوفیوں کی طرح مشرکین مکہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کے اقراری تھے:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝

﴿المومنون: ۸۴تا۸۹﴾

"(مشرکوں سے) پوچھیے کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتاؤ اگر جانتے ہو۔ یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی، کہہ دیں کہ پھر تم نصیحت کیوں حاصل نہیں کرتے؟ پوچھیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، کہہ دیں کہ پھر تم (اُس اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟ پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر جانتے ہو تو بتاؤ؟ یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، کہہ دیں کہ پھر تم کیونکر سحر زدہ ہو جاتے ہو؟ (مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرتے ہو!)"۔

سورۃ المومنون کی ان آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ ایمان و توحید سے متعلقہ چند باتوں کو ماننے والے صحیح العقیدہ مومن ہرگز نہیں جبکہ وہ لوگ ایمان و توحید کا اقرار کرتے ہوئے شرکیہ عقائد کو بھی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ پس آج خود کو اہلِ حدیث کہلانے والوں یا دیوبندی، بریلوی، شیعہ، بوہری، اسماعیلی، قادیانی وغیرہ جیسے مسلکی فرقوں اور گروہوں سے وابستہ مصنفین کی کتابوں میں توحید و سنت کے مضامین پائے جانے کی وجہ سے اُنہیں اہلِ حق نہیں مانا جائے گا، کیونکہ ان ہی لوگوں یا ان کی جماعت والوں کی کتابوں میں قرآن و حدیث کے خلاف کفریہ شرکیہ عقائد و نظریات والی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ یہودی اور عیسائی مشرکوں کی کتابوں میں بھی توحید اور تقویٰ و اخلاق سے متعلق بہت سی باتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور پھر صرف مذہبی لوگ ہی کیا، بعض اوقات نشہ کرنے والے ہیرونچی بھی نشے کے ساتھ ساتھ حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے بہت سی قابلِ عمل اور سچائی و انصاف پر مبنی باتیں کر جاتے ہیں، مگر ان سب باتوں کے باوجود انہیں حکماء یا دانشور تو نہیں مانا جا سکتا۔

یاد رکھا جائے کہ خاص طور پر صوفیوں نے ہی توحید و سنت اور تقویٰ و عبادات کی آڑ میں "کفر و شرک" کی تبلیغ کی ہے۔ گزشتہ سطور میں "فتوح الغیب" کی کچھ تحاریر پیش کی گئیں جیسے ...: "ممدوح شیخ" نے ممنوعات سے منع ہونے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والی بات کو اُٹھا کر مخلوق کے لیے "جو چاہے کر سکنے" کی کفریہ بات پر پہنچا دیا! اسی طرح صبر کی نصیحت کو کھینچ کر اللہ تعالیٰ (کی قدرت) کے افعال میں فنا ہو کر ابدالیت و غیب دانی کے دعووں پر پہنچا دیا!

قارئین! پوری "فتوح الغیب" اور "غنیۃ الطالبین" اسی قسم کی طرزِ واردات سے بھری پڑی ہیں، جس کے ذریعے مسلمانوں کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے۔ یہ اہلِ حدیث کہلانے والے، اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سچے دینِ اسلام کے مقابلے میں سرکش انسانوں کا ایجاد کردہ "دینِ تصوف" ایک باطل دین ہے، جیسا کہ مبشر صاحب نے بھی صفحہ ۶۰۲ پر تسلیم کیا ہے کہ: "صوفیاء بظاہر عبادات میں مصروف نظر آئیں گے مگر درحقیقت وہ عبادت کے نام پر حقوق اللہ سے تجاوز کرتے ہیں۔ جہاد ان میں نام کو نہیں، توحید کفر و شرک سے مخلوط ہے۔ فرائض و عبادات خلاف سنت ہیں....."۔

"صوفیاء نے عبادت و شریعت میں اس قدر غلو کیا کہ قرآن و سنت کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اپنا خود ساختہ دین بنا لیا، عبادات کے نت نئے طریقے ایجاد کر لیے، جو کام نبی رحمت نے نہ کیے تھے انکا آغاز کر دیا، ایسے ایسے کلمات تسبیحات، ذکر و اذکار وغیرہ کا التزام کیا جن کا قرآن و سنت سے کہیں کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوتا جب کہ وہ اس زعم باطل میں مبتلا رہے کہ ہم اللہ کو راضی کر رہے ہیں"۔

قارئین! صوفیاء پر مذکورہ تنقید کرنے والے "اہلِ حدیث" کو ایسا صوفی مل گیا جو رفع الیدین کا قائل تھا، اسی لیے انہوں نے اس حالیہ کتاب میں پورا زور لگایا ہے کہ کسی طرح ان کی شخصیت پر لگا تصوف کا داغ چھپایا جائے حالانکہ یہ لوگ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت اس داغ کو چھپانے نہیں دیتی لہٰذا اپنے اونٹ کا ناکے سے گذرنا ناممکن دیکھ کر انہوں نے شخصیت پرستی کی بدترین مثال قائم کرتے ہوئے معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کی شریعت کو ہی بے حیثیت قرار دے دیا، لکھتے ہیں:

"متقدم صوفیا کے مستند حالات اور ان کی تصنیفات سے ان کے صحیح العقیدہ ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے (دیکھئے: تاریخ تصوف از یوسف سلیم چشتی: ص ۱۴۳ تا ۵۲۰) البتہ تزکیۂ نفس کے سلسلے میں انہی متقدمین کے ہاں بعض خلافِ شرع امور بھی پائے جاتے ہیں...... ان خلافِ شرع امور کا تعلق عقائد و ایمانیات کی بجائے عبادات و معاملات سے ہے......

خیر القرون کے تصوف اور مابعد کے تصوف میں بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ کی طرح نمایاں خلا ہے ..... پہلی اور دوسری صدی ہجری میں انتہائی متقی حضرات کے لیے زاہد، عابد اور صالح وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے جاتے تھے

...... گویا متقدمین کے ہاں لفظ صوفی دراصل زاہد وعابد کی جگہ مستعمل تھا......
متقدم صوفیا جو دراصل زہاد وعباد ہی تھے، کے طرزِ عمل، طریقہ عبادت اور تزکیۂ نفس کے سلسلہ کو دیگر ائمہ دین نے ہدفِ تنقید نہیں بنایا اور ویسے بھی ان صوفیا اور زہاد کی طرزِ زندگی مجموعی طور پر شریعت ہی کا آئینہ دار تھی کیونکہ ان میں سے اکثر حضرات کتاب وسنت کے عالم باعمل اور دین وشریعت کے اسرار ورموز سے کماحقہ واقف تھے۔ تاہم ان میں عقائد سے ہٹ کر عبادات ومعاملات میں غلو وبگاڑ پیدا ہو چکا تھا...... متاخر صوفیا کے عقائد ونظریات (یعنی وحدت الوجود، حلول وغیرہ) متقدمین کے ہاں نہیں پائے جاتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ شیخ جیلانیؒ کے عقائد ونظریات سراسر اہل السنۃ کے موافق ہیں'' (صفحہ ۲۷، ۲۸)۔

قارئین ! مبشر صاحب اپنے متبعین کو سکھا رہے ہیں کہ پہلے صوفیا میں متقدمین اور متاخرین کے دو مختلف طبقوں کا تصور قائم کریں، پھر متقدمین کو انتہائی متقی اور سنت کے عالم باعمل قرار دیں، اور اپنے ''شیخ'' کو صوفیوں میں ایک غیر صوفی قسم کا آدمی باور کرانے کے لیے موصوف کو متقدمین جیسا قرار دیں، پھر بھی داغ نہ چھپے اور شریعت آڑے آ کر ان پر کفر کا فتویٰ چسپاں کرے تو کہہ دیا جائے کہ معاملہ محض شریعت اور عبادات ومعاملات ہی کا تو ہے عقیدے کا تو نہیں جبکہ وہ صحیح العقیدہ تھے۔

قارئین! اب ذرا غور کیجیے کہ مبشر صاحب نے جن ''صالحین اور عباد و زُہّاد'' کو واقعتاً عباد وزہاد بتایا ہے ان کو یحییٰ بن سعید القطّان نے سب سے بڑھ کر جھوٹ بولنے والے، اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بے ساختہ جھوٹ بولنے والے بتایا ہے:

''محمد بن یحییٰ بن سعید القطّان کہتے ہیں کہ میرے باپ یحییٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے صالحین سے زیادہ کسی کو حدیث کے معاملے میں جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔ ابن ابی عتّاب کہتے ہیں کہ پھر مجھ سے محمد بن یحییٰ کی ملاقات ہوئی اور میں نے اس بات کی جو مجھ تک پہنچی تھی ان سے تصدیق چاہی۔ انہوں نے کہا ہاں میرے والد فرماتے تھے کہ اہلِ خیر (صوفیاء) سے زیادہ تو کسی کو بھی حدیث کے معاملے میں جھوٹا نہ دیکھے گا۔ امام مسلم کہتے ہیں ..... جھوٹ ان کی زبانوں پر بے ساختہ جاری ہو جاتا ہے چاہے جھوٹ بولنے کا ان کا ارادہ بھی نہ ہو۔'' (مقدمہ صحیح مسلم)

یہ دونوں ائمہ دین بھی متقدمین میں سے ہیں اور جن کے بارے میں بیان کیا جا رہا ہے وہ بھی متقدمین صوفیاء میں سے ہیں اس لیے ان کی اس تنقید سے مبشر صاحب کی یہ بات بھی غلط ثابت ہوئی کہ متقدمین صوفیاء پر ائمہ دین کی جانب سے تنقید نہیں کی گئی۔ ان دونوں ائمہ دین کی یہ تنقید دوسرے بے شمار ائمہ میں بھی مقبول رہی ہے کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی اس کی تردید نہیں کی۔ اور شاید اسی تنقیدی کارروائی کی وجہ سے ان نام نہاد زُہّاد، صالحین اور اہلِ خیر کو اپنے یہ ٹریڈ مارک چھوڑ کر نیا نام ''صوفی'' رکھنا پڑا۔

اب دیکھیے ! جن شرعی احکامات کو مبشر صاحب نے خود پر گراں سمجھتے ہوئے جان بوجھ کر ایک بحث کے ذریعے پسِ پُشت ڈالا ہے، اُسے گراں سمجھنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور سخت عذاب سے ڈراتا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَي الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿الشوری:۱۳﴾

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اُسی دین کو شریعت مقرر کیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے (اے نبی ﷺ) تمہاری طرف بھیجا ہے، اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا، جس چیز کی طرف آپ (ﷺ) ان (مشرکوں) کو بُلا رہے ہیں وہ ان پر گراں گزرتی ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اُس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی رہنمائی فرماتا ہے''۔

وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿الشوری:۱۶﴾

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں جھگڑتے ہیں اس کے بعد کہ (ایمان والے) اسے مان بھی چکے ان کی کٹ حجتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک باطل ہے، اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے''۔

مبشر صاحب نے صوفیوں کا ایک دوسرے کے سامنے جھکنے، قدم بوسی، عرس، قوالی، لَا ھُوَ اِلَّا ھُو کی ضربیں، مراقبے، جنگلوں اور پہاڑوں میں چلہ کشی، خانقاہیں، مرضی کی نماز، مرضی کے روزے، مرضی کا حج، مرضی کا ذکر، مرضی کا رہن سہن، مرضی کی تبلیغ، غرض اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بجائے اپنی مرضی چلانے کو ایسا کوئی مسئلہ قرار نہیں دیا جس کی وجہ سے انہیں قابلِ نفرت قرار دیا جائے، جبکہ ایسا ''خودساختہ دین'' اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود اور جہنم میں جھونکے جانے کا سبب ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَھُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿آل عمران-۸۵﴾

''جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین لے کر آئے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا''۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰۗؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿الشوری:۲۱﴾

''کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ تعالیٰ کے) شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ایسے احکامِ دین مقرر کر لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے ہیں ہی نہیں۔ اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی ان کا) فیصلہ کر دیا جاتا۔ یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

مبشر صاحب مزید تین گُر یعنی خطا، نسیان اور تفردات کی چالوں کے ذریعے ''ممدوح شیخ'' کا دفاع سکھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ویسے بھی انسان ہونے کے ناطے خطا ونسیان ایک فطری بات ہے جس سے کسی بشر کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ راقم الحروف نے جب شیخ کی بعض کتابوں کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا تو شیخ کے بعض ایسے تفردات بھی نظر سے گزرے جن سے اتفاق ممکن نہیں۔'' (صفحہ ۳۴)

قارئین! یہ وہی مبشر حسین ہیں جو اس سے پہلے اپنے ''شیخ'' سے کفر وشرک اور بدعات وخرافات کا صدور ناممکن بتا رہے تھے اور اب انھیں ان سے مستثنیٰ قرار نہیں دے رہے!

حالانکہ انسان سے بھول ہوسکتی ہے، خطائیں سرزد ہوسکتی ہیں یہاں تک کہ معاذ اللہ کفر وشرک بھی ہوسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو تائب ہونے یعنی واپس راہِ راست کی طرف پلٹ آنے اور اپنی اصلاح کرنے کا اختیار دے رکھا ہے تا کہ وہ کافر ومشرک قرار دیے جانے اور جہنم میں داخل کیے جانے سے بچ سکے:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿النساء۔۱۴۶﴾

''مگر (منافقت کرنے والوں میں سے) وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کا رویہ اختیار کیا اور مضبوطی سے تھام لیا اللہ کی رسّی کو (قرآن وا حادیث صحیحہ کو ہی دین کی اصل مانتے ہوئے) خالص کر لیا اپنے دین کو اللہ کے لیے، تو یہ لوگ مومنوں ہی کے ساتھ ہیں، اور عنقریب اللہ مومنوں کو بڑا اجر دے گا''۔

لہٰذا ''شیخ'' کے دعوائے الوہیت وغیب دانی وغیرہ سے صرفِ نظر کرنا اُس وقت جائز ہوتا جب اس بات کے ثبوت موجود ہوتے کہ یہ کتابیں لکھنے کے بعد انہوں نے اپنے ان تمام دعووں اور کتابوں کو غلط قرار دے کر، خالص توحید وسنت کو اختیار کرتے ہوئے اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن ایسا کوئی ثبوت موجود نہیں، لہٰذا من مانی سے بچتے اور واقعتاً غیر جانبدارانہ طرزِ عمل کا ثبوت دینے کے لیے اس آیت پر ایمان رکھنا چاہیے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿البقرہ:۱۶۱﴾

''یقیناً جو کفر کرنے والے (توبہ کرنے کے بجائے) کفر پر ہی مرجائیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے''۔

کہا جاتا ہے کہ وقت کے حکمران، امراء ووزراء اور بڑے بڑے اہلِ علم ''شیخ'' کے پاس آتے رہتے تھے اور ان کی وفات تک خلق کثیر ان کے ہاتھ پر توبہ کرتی رہی۔ تو کیا ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان کا اتنا بھیانک نسیان دیکھ کر انہیں خبردار کرتا کہ شیخ صاحب! ہم سے تو توبہ کروالی اور خود اسی دلدل میں گر گئے لِلّٰہ پلٹ آئیے! دراصل، تصوف کی دنیا میں کسی شیخ کی اصلاح کے لیے مُریدوں کا زبان کھولنا ''گستاخی'' اور شیخ کی صحبت سے ملنے والے فیض سے محروم ہونا سمجھا جاتا ہے، چنانچہ یوں سمجھیے کہ تصوف سے وابستہ افراد اپنی ایک آنکھ بند کیے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بغاوت پر مبنی حرکات وسکنات، اوراد ووظائف اور چلّوں، مکاشفوں کے دلچسپ مظاہروں کو باہمی تعاون ہی کے ذریعے خوب سے خوب پروان چڑھاتے رہتے ہیں۔

پھر اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ کہ مبشر صاحب اور ان کے ہم مسلک (اہل حدیث کہلانے والے) دین تصوف سے وابستگی رکھنے والوں کو تو حقوق اللہ سے تجاوز کرنے والے اور توحید میں کفر وشرک کی تخلیط کرنے والے قرار دیتے ہیں، مگر رفع الیدین کے قائل ''شیخِ ممدوح'' کی کفریہ شرکیہ نظریات والی تحریروں کے لیے ''تفردات'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں تا کہ بات کو ہلکا کیا جاسکے! حالانکہ صوفیوں میں تفردات کہاں؟ یہاں تو کنویں میں بھنگ پڑی ہے کوئی ''صوفی'' ہو اور شرک نہ کرے، خود ساختہ دین پر نہ چلے یہ اب تک نظر نہیں آیا۔ ''ممدوح شیخ'' کی تعلیمات جیسی تعلیمات سے ہی دوسرے ہزاروں صوفیوں کی بھی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان اور عقیدہ ہر طرح کی شرکیہ آمیزش سے پاک تھا اور اس مسئلے میں ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو مثالی قرار دیتے ہوئے ان سے خطاب فرمایا:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ﴿البقرہ:۱۳۷﴾

''اگر یہ (اہلِ کتاب بھی) تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو یقیناً ہدایت پالیں گے''۔

بعض شرعی مسائل میں کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم تفرّد رکھتے تھے، مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی مٹھی سے پکڑتے اور جتنا زیادہ ہوتا اس کو کاٹ دیتے تھے۔ (صحیح بخاری۔جلد۳۔کتاب اللباس۔باب: تقلیم الاظفار)

حالانکہ نبی ﷺ کی تعلیم داڑھی کو بڑھانے کی ہے۔ (ایضاً۔باب: اعفاء اللحیٰ)

مگر یہ ان کا تفرّد ہی تھا، اس تفرد کا سبب کیا تھا اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن اس کا سبب کسی جُرم کا قصد یا سنت کی مخالفت ہرگز نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نیتوں کے صاف ہونے کی گواہی دی ہے:

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ﴿الفتح:۲۹﴾

''آپ (ﷺ) دیکھیں گے کہ یہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) رکوع اور سجدے کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کی جستجو میں رہتے ہیں''۔

مبشر صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ٹھہری ہوئی ایک بات کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے ''شیخ'' کے جرائم کو تفرّدات کہہ کر انہیں مواخذے سے بَری قرار دینے کی کوشش کی ہے لیکن یہ ''شیخ'' کی گھناؤنی تحریروں کے جرائم ہی مانے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''شیخ'' سمیت کسی بھی صوفی کی نیت صاف ہونے کی کوئی گواہی نازل نہیں کی۔ مبشر صاحب نے شریعت سے جان چھڑا کر اور ''شیخ'' کو اپنے تئیں محض صحیح العقیدہ ہونے کی بنیاد پر اپنی محبوب شخصیت مانتے رہنے کا اپنے متبعین کو سبق دیا ہے لیکن عقیدے کے مسئلے میں بھی جب کہیں ان کی سوئی اٹک جائے تو اپنی پریشانی سے نجات کے لیے انہوں نے انتہائی بدترین فیصلہ صادر فرمایا ہے جیسے ''شیخ''

کا بتایا ہوا ایک شرکیہ وظیفہ، جس میں ابدالوں اوتادوں اور اخیار کو دُنیا کا بادشاہ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی اور تکوینی نظام چلانے میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا گیا ہے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مبشر صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ ......کہو بسم اللہ، یہ اس ذات کا نام ہے جس نے دریا جاری کیے، درخت پیدا کیے، اپنے اطاعت شعار بندوں کے ساتھ شہر آباد کیے اور ان بندوں کو پہاڑوں کی طرح اوتاد (میخیں، کیلیں) بنایا، جن کی وجہ سے زمین اپنے باشندوں کے لیے فرش کی طرح ہوگئی۔ یہ چالیس برگزیدہ بندے ہیں جنہیں اَبدال کہا جاتا ہے۔ یہ ابدال اللہ تعالیٰ کے شریکوں کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی (بیان) کرتے ہیں۔ یہ ابدال دنیا کے بادشاہ اور روزِ قیامت سفارش کرنے والے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کائنات کی تدبیر کرنے اور بندوں پر لطف و کرم کرنے کے لیے پیدا کیا ہے''۔

مذکورہ اقتباس میں اوتاد و اقطاب وغیرہ کے حوالے سے شیخ نے جو نکتہ نظر پیش کیا ہے، اس کے ظاہری مفہوم کی کوئی ایسی توجیہ جس سے اس کی شرکیہ آمیزش بآسانی دُور ہو سکے، بہت مشکل ہے، مگر اس بنیاد پر معاذ اللہ شیخ پر کوئی فتویٰ صادر کرنے کی بھی راقم اس لیے جسارت نہیں کر سکتا کہ ائمہ نقاد مثلاً ابن تیمیہؒ، حافظ ذہبیؒ، ابن حجرؒ، ابن رجبؒ وغیرہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اکثر و بیشتر نے شیخ کے اہل السنۃ ہونے اور صحیح العقیدہ ہونے کی گواہی دی ہے۔'' (صفحہ ۴۴)

قارئین! دیکھیے کہ مبشر صاحب یہاں ''ظاہری مفہوم'' کی استری پھیر کر بھی شرکیہ آمیزش کی سِلوَٹ دُور نہ کر سکے اور فیصلہ کر گئے کہ چاہے ان کے ''شیخ'' کا نکتہ نظر شرکیہ تھا لیکن ان پر قرآن و حدیث کے مطابق فتویٰ لگانے سے بچنے کے لیے ایمان و عقیدے کا مسئلہ بھی کنارے لگایا جائے گا کیوں کہ یہی کچھ پچھلوں نے بھی کیا تھا۔ ایک اینٹ یعنی مسئلہ رفع الیدین کی خاطر پوری مسجد ڈھانے اور تقلیدِ شخصی کے ایسے ہی موقعوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے فرامین ہیں کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

﴿المائدہ:۴۴﴾

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں''۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

﴿المائدہ:۴۵﴾

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں''۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

﴿التوبہ:۳۱﴾

''ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے مولویوں اور پیروں کو ربّ بنا لیا ہے۔''

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ

﴿البقرہ:۱۶۵﴾

''اور انسانوں میں ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے مدِ مقابل (شریک) ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے، اور ایمان والے اللہ تعالیٰ کی محبت میں سخت ہوتے ہیں، کاش یہ (مشرک) لوگ جانتے کہ (ایک دن) وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ کر جان لیں گے کہ ساری طاقت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے''۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۙ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

﴿النحل:۴۵ تا ۴۷﴾

''بدترین داؤ پیچ کرنے والے کیا اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آجائے جہاں کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو۔ یا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے، یہ لوگ (کسی بھی عذاب کے لانے سے) اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ یا (اللہ) انہیں ڈرا دھمکا کر پکڑ لے (اس سے بھی اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے) پس تمہارا پروردگار (اصلاح کے لیے مہلت دیتا ہے کیونکہ وہ) اعلیٰ شفقت اور رحم فرمانے والا ہے''۔

یہ بات کہ ابن تیمیہ وغیرہ نے ان پر فتویٰ نہیں لگایا اور اکثر نے ان کی تعریف و توصیف کی ہے تو اس کا جواب خود مبشر صاحب کی یہ تحریر ہے:

''ہمارے ہاں شخصیات پر لکھنے والے عموماً اس بات کا خیال تو رکھتے ہیں کہ مطلوبہ شخص کے فضائل و مناقب پر جہاں سے اور جو بھی رطب و یابس ملے، اسے بلا تحقیق سپردِ قلم کر دیا جائے۔ مگر اس بات کی طرف توجہ نہیں دی جاتی کہ زیرِ مطالعہ شخصیت کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرتے ہوئے ان حقائق کو بھی سامنے لایا جائے جو ان کی فکری و علمی لغزشوں پر مشتمل ہو۔ عملی کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرنا تو یقیناً مستحسن ہے مگر علمی و نظریاتی لغزشوں کو اس لیے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کے فضائل و مناقب اور علمی وجاہت سے متاثر ہونے والا شخص اس کی علمی و فکری لغزشوں کو بھی عین حق سمجھ کر اپنا لیتا ہے، اس لیے ایسی چیزوں کی نشاندہی ایک علمی امانت کو آگے منتقل کرنے کے مترادف ہے۔'' (صفحہ ۳۳)

لہٰذا اگر ابنِ تیمیہ وغیرہ ''ممدوح شیخ'' کے باطل عقائد سے خبردار تھے تو انہیں ان کی نشاندہی اور ''شیخ'' کی نظریاتی حیثیت بتا کر اس علمی امانت کو آگے بڑھانا چاہیے تھا تا کہ ان کے بتائے ہوئے باطل طور طریقے اپنا کر اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب کو دعوت نہ دی جاتی۔

اور یہ بھی وہی مبشر صاحب ہیں جو پہلے اپنے ''شیخ'' کو صحیح العقیدہ بتا رہے تھے اور اب ان کا نکتہ نظر ''شرکیہ'' بتا رہے ہیں۔

واضح ہو کہ غیر جانبدارانہ مطالعے و تجزیے، علمی امانت کو آگے بڑھانے، صفحہ نمبر ۱۸۸ پر قرآن وسنت کو سندِ آخر ماننے اور ہر عمل کے لیے قرآن وسنت سے ثبوت لانے کی باتیں بھی انہوں نے محض اپنے متبعین میں اعتماد کی فضا قائم رکھنے کے لیے کی ہیں جس کا ثبوت ان کا ''شیخ'' کے بارے میں محض اپنے گمان کی بنیاد پر کیے ہوئے فیصلے ہیں، اور ان کا یہ طرزِ عمل کہ گواہی بھی ابن تیمیہ وغیرہ کی لیتے ہیں کہ انہوں نے ''شیخ'' کی تعریفیں کی ہیں اور فیصلے کے لیے بھی ان ہی کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں کہ انہوں نے فتویٰ نہیں لگایا اور غیر جانبداری کا دعویٰ کرنے کے باوجود خود ہی گواہی بھی دے دیتے ہیں کہ ان کے ''شیخ'' سے ایسی باتوں کا صدور ممکن ہی نہیں۔ پھر دوسری جگہ گواہی بدلتے ہیں کہ'' ان کا نکتہ نظر شرکیہ تھا''، لیکن فیصلے کے لیے سندِ آخر یعنی قرآن وحدیث کے بجائے اپنے اسلاف کی طرف رُخ کر گئے گویا جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے ترازو میں پرکھنے سے من مانی نہ ہو سکے گی لہٰذا ترازو پھینک کر ہاتھوں میں تولنے لگ گئے۔

توحید کے مسئلے سے بھی ہاتھ صاف کرنے کے بعد کوئی اور داؤ پیچ سکھانے کی ضرورت باقی نہیں تھی لیکن شاید توحید سے براءت کے اعلان کی جلدی ان سے ان کا کام بے ترتیب کروا گئی چنانچہ ''شیخ'' کے اُسی شرکیہ وظیفے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اقتباس کے بارے میں یہ موقف اپنایا جائے کہ یہ شیخ کی کتاب میں کسی اور نے شامل کر دیا ہوگا اور ویسے بھی یہ بات معقول ہے کہ جب بعض متعصبین نے احادیث وضع کرنے یا کتبِ احادیث میں تحریف کرنے میں خوف خدا کا لحاظ نہیں رکھا تو شیخ کی کتاب میں ایسی بات کا پیوند لگانے میں یہ خوف ان کے لیے کیسے مانع ہو سکتا تھا۔'' (صفحہ ۳۴) یہ بھی وہی مبشر صاحب ہیں جو پہلے اسے ''شیخ'' کا نکتہ نظر کہہ رہے تھے اور اب کسی اور کا لگایا ہوا پیوند! اور اپنی یہ بات بھی بھول گئے کہ:

''غنیۃ الطالبین (جس کا اصل نام الغنیۃ لطالبی طریق الحق ہے) شیخ مرحوم ہی کی تصنیف ہے اور جن لوگوں نے اس سے تردد یا انکار کا اظہار کیا ہے، دلائل کی رو سے ان کا موقف کمزور ہے۔'' (صفحہ ۵۰)

تحریف والی بات مناسب نظر آنے کے بعد آگے ان کو ایک دوسری بات بھی مناسب نظر آئی ہے لیکن پہلے اس تحریف والی بات کا جائزہ لیتے ہیں۔ دیکھیے، کسی کتاب میں تحریف یا ردّ وبدل اس وقت تک ممکن یا کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ اصل کتاب ناپید نہ ہو جائے یا اُسے چھپا نہ دیا جائے۔ تورات میں تحریف کا سبب بھی اس کے اصل نسخوں کی عدم دستیابی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے علماء کو تورات کی حفاظت کی ذمہ داری دی تھی:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ ﴿المائدہ:۴۴﴾

''بے شک ہم نے نازل کی توریت جس میں ہدایت ونور ہے۔ حکم دیتے تھے اس کے ذریعے (اللہ کے سچے) فرمانبردار انبیاء (علیہم السلام) اُن لوگوں کو جو یہودی تھے اور درویش تھے اور علماء تھے، کیونکہ وہ محافظ ٹھہرائے گئے تھے کتاب اللہ کے اور وہ اس پر گواہ تھے''۔

لیکن ایک عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے اس کی حفاظت پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ وہ حرام مال جمع کرنے اور تفرقہ پردازی میں مگن ہو گئے۔ ان کی اس غفلت کے بارے میں دستیاب تورات کے حوالے سے تفہیم القرآن، سورۂ آلِ عمران کی تیسری آیت کی تشریح میں لکھا ہے:

''دراصل تورات سے مراد وہ احکام ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً چالیس سال کے دوران میں اُن پر نازل ہوئے۔ اُن میں دس احکام تو وہ تھے، جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے انہیں دیئے تھے۔

باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰ نے لکھوا کر اس کی ۱۲ نقلیں بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں کو دے دی تھیں اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالے کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ اسی کتاب کا نام ''تورات'' تھا۔ یہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی تباہی کے وقت تک محفوظ تھی۔ اس کی ایک کاپی جو بنی لاوی کے حوالے کی گئی تھی، پتھر کی لوحوں سمیت، عہد کے صندوق میں رکھ دی گئی تھی اور بنی اسرائیل اس کو ''تورات'' ہی کے نام سے جانتے تھے۔ لیکن اس سے ان کی غفلت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ یوسیاہ کے عہد میں جب ہیکل سلیمانی کی مرمت ہوئی تو اتفاق سے سردار کاہن (یعنی ہیکل کے سجادہ نشین اور قوم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا) خِلقیاہ کو ایک جگہ تورات رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے ایک عجوبے کی طرح اسے شاہی منشی کو دیا اور شاہی منشی نے اسے لے جا کر بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا، جیسے ایک عجیب انکشاف ہوا ہے (ملاحظہ ہو ۲۔ سلاطین، باب ۲۲۔ آیت ۸ تا ۱۳)۔ یہی وجہ ہے کہ جب بخت نصر نے یروشلم فتح کیا اور ہیکل سمیت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، تو بنی اسرائیل نے تورات کے وہ اصل نسخے، جو ان کے ہاں طاقِ نسیاں پر رکھے ہوئے تھے اور بہت تھوڑی تعداد میں تھے، ہمیشہ کے لیے گم کر دیئے۔ پھر جب عزرا کاہن (عُزیر) کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بچے کھچے لوگ بابل کی اسیری سے واپس آئے اور دوبارہ بیت المقدس تعمیر ہوا، تو عزرا نے اپنی قوم کے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی، جو اب بائیبل کی پہلی ۱۷ کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس تاریخ کے چار باب، یعنی خروج، احبار، گنتی اور استثنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہیں اور اس سیرت ہی میں تاریخ نزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسبِ موقع درج کر دی گئی ہیں، جو عزرا اور ان کے مددگار بزرگوں کو دستیاب ہو سکیں۔ پس دراصل اب تورات اُن منتشر اجزا کا نام ہے جو سیرتِ موسیٰ علیہ السلام کے اندر بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ اس تاریخی بیان کے دوران میں جہاں کہیں سیرتِ موسوی کا مصنف کہتا ہے کہ خدا نے موسیٰ سے یہ فرمایا۔ یا موسیٰ نے کہا کہ خداوند تمہارا خدا یہ کہتا ہے، وہاں سے تورات کا ایک جُز شروع ہوتا ہے اور جہاں پھر سیرت کی تقریر شروع ہو جاتی ہے، وہاں وہ جُز ختم ہو جاتا ہے۔ بیچ میں جہاں کہیں کوئی

چیز بائیبل کے مصنف نے تفسیر وتشریح کے طور پر بڑھادی ہے، وہاں ایک عام آدمی کے لیے یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہے کہ آیا یہ اصل تورات کا حصہ ہے، یا شرح وتفسیر''۔

قارئین! اس سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کی کتاب اللہ سے غفلت کا انجام یہ ہوا کہ اس کے اصل نسخے ان کے ہاتھ سے نکل گئے، اس وجہ سے بعد میں ایسی کتاب لکھی گئی جو دراصل سیرت وتاریخ کی کتاب ہے اور اس میں تورات کے محض اجزا شامل کئے جاسکے وہ بھی انسانی تفسیر وتشریح کے ساتھ۔ اس طرح اصل کتاب کی عدم دستیابی کی وجہ سے تورات کے نام سے ردوبدل کی ہوئی کتاب لکھنے کا راستہ کُھل گیا۔

قرآن کی حفاظت کے حوالے سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تحریف یا ردوبدل ہونے سے حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿الحجر:۹﴾

''یقیناً ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت یوں فرمائی کہ اس کے اصل نسخے کے ناپید ہونے کو ناممکن کردیا یعنی اس طرح سے کہ اصل نسخے کی مسلسل اور بڑی تعداد میں اشاعت وتقسیم کے اسباب قائم فرمادیے، یہاں تک کہ اسے نہ ماننے والوں کے ذریعے بھی اس کی اشاعت وتقسیم کروادی۔ لہٰذا اب دنیا میں کسی تحریف شدہ نسخے کے لیے جگہ ہرگز نہیں بن سکتی۔ کچھ عرصہ پہلے امریکہ کے دو اشاعتی اداروں نے ''الفرقان الحق'' کے نام سے ایک تحریف شدہ ''قرآن'' شائع کیا تھا لیکن الحمدللہ یہ سازش قرآن کے اصل نسخوں کی موجودگی کی وجہ سے ہی دم توڑ گئی اور وہ کتاب عام نہ ہوسکی۔

مبشر صاحب کو غور کرنا چاہیے کہ ''ممدوح شیخ'' کی کتابوں میں کئی صدیوں بعد محض ''فوائدِ اضافی'' لکھنے سے پیوند نہیں لگ سکتے بلکہ اس کے لیے ان باتوں کے ثبوت دینے ہوں گے کہ اگر ان کتابوں کے اصل یعنی غیر پیوند شدہ نسخے تھے تو وہ کب اور کیسے ناپید ہوئے؟ اور وہ بھی چہار دانگ عالم میں پھیلے ہوئے ''شیخ'' کے عقیدت مندوں کے ہوتے ہوئے کہ جنہوں نے اصل نسخے کو ہاتھوں ہاتھ لے کر خوب پھیلایا بھی ہوگا؟

وضعِ حدیث کی سازش بھی قرآن اور صحیح احادیث کے محفوظ ہونے کی وجہ سے ناکام ہوگئی کیونکہ موضوع روایتیں قرآن اور صحیح احادیث سے واضح تضاد رکھتی ہیں۔ مزید یہ کہ تدوین حدیث اور راویانِ حدیث کو پرکھنے کے سخت اصولوں اور جرح وتعدیل کے شعبے نے بھی جعلی روایتوں اور انہیں گھڑنے والے راویوں کے پول ہمیشہ کے لیے کھول دیے۔ لیکن اس ناکام سازش کا حوالہ دے کر ''شیخ'' کی کتابوں میں کامیاب پیوندکاری کا رونا کیا معنی رکھتا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ ''کتبِ احادیث میں تحریف'' کی نرالی اطلاع دینے کے ساتھ ان باتوں کے ثبوت دینے کے بھی یہی ذمہ دار ہیں کہ حدیث کی کون کون سی کتاب میں کب اور کیسے اور کیا تحریفات ہوئی ہیں؟

ان کتابوں کا ''شیخ'' ہی کی لکھی ہوئی کتابیں ہونا تو اس قدر مصدقہ اور مسلّمہ ہے کہ خود ''اہلِ حدیث'' بھی اسے تسلیم کرتے ہیں ورنہ مبشر صاحب کو کیا ضرورت تھی ساری ہی کتاب کا ترجمہ کرنے کی اور ان میں ''شیخ'' سے خطاونسیان سرزد ہونے، اور انہی کے تفردات ہونے اور انہی کا شرکیہ نکتہ نظر بتانے کی، فقط اتنا ہی کہہ کر مسترد کردیتے اور کتاب سے علیحدہ کردیتے کہ یہ ان کی تعلیمات ہی نہیں بلکہ اوروں کے لگائے ہوئے پیوند ہیں! آج کل ''اتحاد بین المذاہب'' کے نام سے عالمی سطح پر ایک تحریک چلائی جارہی ہے۔ اس تحریک کا مقصد ویسا ہی ہے جیسا کہ ''شیعہ سُنّی بھائی بھائی'' یا ''اپنے مسلک کو چھوڑو نہیں اور دوسروں کے مسلک کو چھیڑو نہیں'' کے نعروں کے پیچھے کارفرما ہے، یعنی کہ لوگ اپنے اپنے مذہب سے وابستہ رہتے ہوئے دوسرے مذاہب سے اختلافات ختم کردیں۔ مبشر صاحب کے ''تحقیقی مطالعے'' کے نتیجے میں ان کے ہاتھ آنے والے اس نسخے (کسی اور نے شامل کردیا ہوگا) کو یہ تحریک استعمال کرلے تو یہ زبردست ''دلیل'' اس تحریک کو کامیابی دِلا سکتی ہے۔ اس کامیابی کے حصول کے لیے دیوبندی، بریلوی، شیعہ، مرزائی، ہندو، سکھ وغیرہ مذاہب کے لوگوں کو صرف یہ کام کرنا ہوگا کہ وہ اپنے اکابرین کی کتابوں کا ایک نیا ''فوائد اضافی'' والا ایڈیشن شائع کردیں جس میں لکھ دیں کہ ''اس کتاب میں جتنی کفریات ہیں وہ کسی اور نے شامل کردی ہوں گی''۔ اگر مبشر صاحب کا احسان مانتے ہوئے یہ تمام مذاہب والے اس نسخے کو اختیار کرلیں تو اس مشترکہ مسلک کے ظہور میں آنے کے بعد یہ مذاہب والے اہلِ حدیثوں کی جانب سے تو مطمئن ہی ہوجائیں گے کیونکہ پھر وہ ''اہلِ حدیث'' ہی کیا جو ان کے اکابرین کو کافر ثابت کردے۔

اُسی شرکیہ وظیفے کے بارے میں آخری ''مناسب بات'' اور آخری گُر بتاتے ہیں کہ: ''یا پھر اس کی کوئی ایسی توجیہہ تلاش کرنی چاہیے جس سے اس کا بگاڑ باقی نہ رہے'' (صفحہ ۳۴)۔

یہ بھی وہی مبشر صاحب ہیں جو اس سے پہلے اسے کسی اور کا لگایا ہوا پیوند بتارہے تھے اور اب کہہ رہے ہیں کہ باتیں تو ان کے ''شیخ'' کی ہیں بگڑی ہوئی، لیکن کوئی ایسا ''کمال'' دکھایا جائے کہ یہ باتیں بگڑی ہوئی نظر نہ آئیں۔ حالانکہ ایسے ''کمالات'' دکھانا، یعنی بگڑے ہوئے کاموں کو خوشنما کرکے پیش کرنا ''شیطانی'' کام ہے:

تَاللّٰهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

﴿النحل:۶۳﴾

''واللہ ہم نے تجھ سے پہلے کی اُمتوں کی طرف بھی اپنے رسول بھیجے لیکن شیطان نے ان کے بداعمال ان کی نگاہوں میں خوشنما بنادیے، وہ شیطان آج بھی ان کا رفیق بنا ہوا ہے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

قارئین! ایسے ہی ''کمالات'' کی مثال پیش کرتے ہوئے مبشر صاحب لکھتے ہیں:

''اور اس کی توجیہ یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ مقدم صوفیا کے ہاں

ابدال واقطاب کی اصطلاحات زُہّاد وعُبّاد کے محض درجاتِ تفاوت کے لیے مستعمل تھیں، لیکن متاخر صوفیا نے چند موضوع احادیث کی بنا پر غوث، قطب، ابدال وغیرہ سے وہ مُراد لینے شروع کر دیے کہ جنہیں ان کے زعم باطل میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کے مختلف اُمور کا مختار ونگران بنایا ہے......اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ شیخ جیلانی کے ہاں ابدال واوتاد سے مراد وہی مفہوم تھا جو مقدم صوفیا سمجھتے تھے، نہ کہ وہ جو متاخرین کے ہاں معروف ہو گیا۔ واللہ اعلم! ''(صفحہ ۳۵)

اب مبشر صاحب کے اس ''کمال'' کی بنیاد پر ''ممدوح شیخ'' کے بتائے ہوئے وظیفے کی شرکیہ باتوں کا مفہوم یہ بنتا ہے:

''شیخ'' کا فرمان: ان بندوں کو پہاڑوں کی طرح اوتاد (میخیں، کیلیں) بنایا۔

مبشر صاحب کا مفہوم: ان بندوں کو پہاڑوں کی طرح اوتاد (میخیں) نہیں بنایا۔

''شیخ'' کا فرمان: جن کی وجہ سے زمین اپنے باشندوں کے لیے فرش کی طرح ہو گئی۔

مبشر صاحب کا مفہوم: جن کی وجہ سے زمین اپنے باشندوں کے لیے فرش کی طرح نہیں ہو گئی۔

''شیخ'' کا فرمان: یہ چالیس برگزیدہ بندے ہیں جنہیں اَبدال کہا جاتا ہے۔

مبشر صاحب کا مفہوم: ایسے کوئی چالیس بندے نہیں کیونکہ یہ بات جس روایت میں آئی ہے وہ موضوع ہے۔

''شیخ'' کا فرمان: یہ ابدال دنیا کے بادشاہ اور روزِ قیامت سفارش کرنے والے ہیں۔

مبشر صاحب کا مفہوم: یہ ابدال نہ تو دنیا کے بادشاہ ہیں اور نہ ہی روزِ قیامت سفارش کرنے والے ہیں۔

''شیخ'' کا فرمان: اللہ تعالیٰ نے انہیں کائنات کی تدبیر کرنے اور بندوں پر لطف وکرم کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔

مبشر صاحب کا مفہوم: یہ کائنات کی تدبیر ہر گز نہیں کر سکتے۔

یعنی مبشر صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کے ''شیخ'' نے جس عربی زبان میں یہ کتابیں لکھیں ہیں اُن کے الفاظ کا وہ مفہوم نہیں ہے جو خود ''شیخ'' صاحب نے سمجھا اور جو دُنیا والے سمجھتے آ رہے ہیں بلکہ ان کا مفہوم وہ ہے جو اِن ''اہلِ حدیثوں'' کے ذہن میں ہے۔ مبشر صاحب نے اپنے خیال میں ''شیخ'' کی باتوں کا بگاڑ ختم کر دیا، لیکن ایسا کرتے ہوئے قرآن کی کوئی ایک آیت یا کوئی ایک صحیح حدیث بھی پیش نہیں کی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ نے زاہدوں اور عابدوں کو ''غوث، قطب، ابدال'' وغیرہ قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی وہی مبشر صاحب ہیں جو پہلے کہہ رہے تھے کہ اس وظیفے کے مفہوم سے شرکیہ آمیزش بآسانی دُور نہیں ہو سکتی اور اب جتنی آسانی سے انہوں نے یہ سب ''کر کے'' دِکھایا ہے اُسے دیکھ کر ''اہلِ حدیثوں'' کو تو ضرور ''بندے کا کُن کہہ کر سب کچھ کر دینے'' والی شیخ کی بات پر مزید یقین آیا ہوگا۔

اگلے صفحے پر ''شیخ'' کی دو مزید شرکیہ باتیں اور دو بدعات بتا کر اپنے ہم جماعتوں کو اس مسئلے کا کوئی ''حل'' نکالنے کا بُلاوا دیتے ہیں:

''شیخ کے مذکورہ تفردات میں سے پہلے تفرد کی کچھ توجیہ راقم نے پیش کر دی ہے تاہم دیگر تفردات کی توجیہ اور تحقیق وتطبیق، میں دیگر غیر جانبدار اہلِ علم کے سپرد کرتا ہوں۔'' (صفحہ ۳۵)

مبشر صاحب جھوٹ لکھ لکھ کر تھک گئے ہیں، پریشان ہیں کہ اونٹ کو ٹیکسی میں کیسے بٹھائیں وہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پر، کہاں سے لائیں ''شیخ'' کی کفریات کی توجیہات؟ مدد کے لیے اپنے جیسے ''غیر جانبداروں'' کو ''فوائدِ اضافی'' ڈھونڈ کر لانے کے لیے آواز دے رہے ہیں، حالانکہ ان کفریات کی وجوہات اللہ تعالیٰ نے ''شیخ'' کے ذریعے سے ہی ظاہر کروا دی ہیں، اِن ہی کی کتاب میں موجود ہیں، حیرت ہے کہ انہوں نے ان کا ترجمہ بھی خود ہی کیا ہے پھر بھی نہیں سمجھے! یہ رہیں وجوہات:

''وہ لوگ بھی خوش نصیب ہیں جو انہیں ہدیے عنایت کرتے ہیں...... یہ لوگ اس لیے خوش قسمت ہیں کہ ان کے مخدوم اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ بادشاہ کے پاس صرف خواص کا عمل دخل ہوتا ہے اور اس کے تحائف بھی حاشیہ برداروں اور خادموں کے توسط سے پہنچتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان نیک مقرب اولیاء اللہ کی خدمت کریں تو عین ممکن ہے کہ یہی اولیاء ان لوگوں کو شہنشاہِ اعظم کے حضور پہنچا دیں اور تمہاری خدمت نوازی کا اللہ کے حضور اظہار کریں تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس خدمت کے عوض اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے نواز دے'' (صفحہ ۵۶۱)۔

''مرید کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ بلا ضرورت شیخ کی موجودگی میں کلام نہ کرے...... جب نماز سے فارغ ہو جائے تو فوراً مصلّٰی لپیٹ لے اور شیخ کی خدمت کے لیے کمربستہ ہو جائے اور جو اپنے کھلے ہوئے بستر پر آرام سے بلاکلفت غیرے پاؤں پسارے بیٹھے ہیں تو یاد رکھیں کہ یہ مشائخ کی عادت ہوتی ہے مریدوں کی نہیں۔'' (صفحہ ۶۱۴)

''ان کے ساتھ ایک ادب یہ بھی ہے کہ اگر تم کو معلوم ہو کہ فلاں فقیر بچوں والا ہے تو صرف اس کے ساتھ سلوک نہ کرو بلکہ سلوک میں اس کے بچوں کا بھی خیال کرو اور اسے اتنا دو کہ سب کے لیے فراخی ہو جائے تا کہ وہ فارغ البال ہو کر اللہ اللہ میں مشغول رہے۔'' (صفحہ ۶۲۰)

''اور ان ہی کو دانشور اور مقرب بارگاہ خداوندی کہا جا سکتا ہے۔ انہیں کے لیے تمام نعمتیں اور بھلائیاں ہیں۔ لہٰذا تم بھی انہیں لوگوں کی قربت حاصل کر کے اور ان سے تعلقات بڑھا کر اُن ہی کی ہم نشینی اختیار کرو اور ان کی تمام ضروریات کی تکمیل کرتے ہوئے ان کو نفع پہنچاتے رہو۔ پھر خدا تعالیٰ تمہیں بھی اپنے برگزیدہ اور محبوب بندوں میں شامل کر لے گا اور انہی کی برکت سے تم بھی انشاء اللہ انہی جیسے ہو جاؤ گے۔'' (فتوح الغیب، مقالہ ۳۳)

قارئین! ''شیخ'' نصیحت کر رہے ہیں کہ یہ صوفیاء (جن میں وہ خود بھی شامل ہیں) اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ایجنٹ ہیں، انہی کے پاس

ہدایت وتقرب ، کامیابی دکامرانی کا ٹھیکہ ہے لہٰذاان کے ساتھ تعلقات رکھنا بہت ضروری ہے اوراس کے لیےان پراپنامال خوب خرچ کرو،انہیں بیوی بچوں کا حقِ کفالت اداکرنے کے لیے محنت مزدوری کے ذریعے حلال رزق کمانے نہ دو بلکہ گھرپرپاؤں پسارے پڑے رہنے کا موقع دو۔تب جاکرمرید بھی ان کی طرح ہواؤں میں اُڑنے لگے گا،دلوں کے راز جاننے لگے گا،کُن کہہ کرمٹی کوسونابناڈالے گا۔**نعوذ باللہ من ذٰلک۔**

نبیﷺ کے دورکے بدکرداریہودیوں نے ایمان والوں سے مارکھانے کےایک عرصے بعداپنے ایجنٹ عبداللہ بن سباکوپیری مریدی والا ''دین'' دےکراسی یقین کے ساتھ مسلم قوم کی طرف بھیجاتھاکہ جب تک لوگوں کوکافرنہ بنادیاجائے تب تک انہیں بےوقوف نہیں بنایاجاسکتااورجب تک انہیں بےوقوف نہ بنادیاجائے ان کے مال واسباب اوران کی سلطنت پرقبضہ نہیں کیاجاسکتا۔چنانچہ ابن سباسے لےکر''ممدوح شیخ'' تک اوران سے لےکرچودھویں صدی کےصوفیوں تک سب اسی مقصد کےلیے ایمان خریدکرتصوف بیچتے رہے ہیں۔چودھویں صدی کےایک اور''شیخ'' کہ جن کی نصیحتیں بھی چہاردانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں،یہی نصیحت کرتے ہیں:

''اوراگرکوئی جماعت اصلاحِ نفس اور تزکیۂ باطن کے لیے مجتمع ہے توبہتر یہ ہے کہ کوئی ایک شخص ان سب کے لیے روٹی کپڑاجمع کرلیا کرے۔ (مرقات)... علمی اشغال چاہےعلومِ ظاہرہ ہوں یاعلومِ باطنہ،یقیناً بہت زیادہ اہم ہے اورایسے لوگوں کے لیے یقیناً کسی دوسری چیز میں مشغول ہوناہرگزنہ چاہیے،اورمحض نادانوں اوراحمقوں کےطعن وتشنیع کےخوف سےاس اہم مشغلہ کےساتھ کمائی وغیرہ کی طرف لگنا،جاہلوں کےخوف سےاپنی قیمتی مایہ کوضائع کرناہے۔''(فضائلِ صدقات ،مصنف:زکریا کاندھلوی، کتب خانہ فیضی،حصہ دوم،صفحہ۴۳۷)۔

مگر''قرآن کی یہ نصیحت کسی بےوقوف بنےہوئےمسلک پرست کی سمجھ میں نہیں آتی جواللہ تعالیٰ نےاپنےباشعوربندوں،یعنی ایمان والوں سےخطاب کرتےہوئےفرمائی:-

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ
﴿التوبہ:۳۴﴾

''اےایمان والو!بےشک مولویوں اورپیروں میں سےاکثروہ لوگ ہیں جوضرورلوگوں کامال ناحق طریقےسےکھاتےہیں اورانہیں اللہ تعالیٰ کےراستےسےروکتےہیں''۔

گیارہویں باب کےپہلےصفحےسےشیخ کی''پیری مریدی'' کی تعلیمات شروع ہوتی ہیں،لہٰذاایک حاشیے میں مبشرصاحب نےاعلان کیاہےکہ:

''آئندہ حواشی میں ہم تصوف اورزہددونوں کاتقابلی جائزہ پیش کرکےقرآن وسنت کی روشنی میں ان کےمختلف پہلوؤں کاغیرجانبدارانہ جائزہ لیں گے۔''(۶۰۳)

لیکن آئندہ کےتمام یعنی ۶۱ صفحوں میں کسی ایک پربھی کوئی حاشیہ نہیں دیااوراس پورےباب میں پھیلی ہوئی زہدکےنام پر''تصوف کی کفریات'' میں سےکسی ایک کابھی غیرجانبدارانہ جائزہ لینےکےلیےقرآن وحدیث کی طرف رجوع نہیں کیا!

کتاب کےآخرمیں رنگین صفحےپرحکیم محمدصادق سیالکوٹی کے''شیخ'' کےبارےمیں یہ الفاظ سجائےگئےہیں:

''توفیقِ ایزدی سےوہ کمال حاصل ہواکہ بغداداوراس کےاطراف واکناف میں آپ کی فضیلت کاآفتاب سرپرآگیا۔آپ نےاحادیث کابھی مطالعہ کیااورانوارسنن سےکسب ضیاءکیا۔اورساری زندگی قرآنی احکامات اوراحادیث کی روشنی میں بسرکی۔

مسندِ ارشادپربیٹھ کرسنت کی شرابِ طہورہی لوگوں کوپلاتےرہے۔راہِ رسول ہی دکھاتےرہے.....آپؒ سنہ ۴۷۰ ہجری میں منصۂ شہودپرجلوہ افروزہوئےاوررشدوہدایت کایہ نیّرتاباں اکانوےبرس ضیاءباررہا......ان کامشامِ جان کتاب وسنت کےپھولوں کی مہک سےمعطرتھا۔آپ نےہرقیمت پرشرک اوربدعت کومٹاکرتوحیدکوزندہ کیا''۔

یہ تعریفی کلمات''شیخ'' کی جن تعلیمات کی بنیادپرلکھےگئےہیں،ہم ان کےمزیدکچھ نمونےاسی کتاب سے،تلخیص واختصارکےساتھ پیش کرتےہوئے،انسانوں کوآگ تک پہنچانےوالی ان کفروشرک،بدعات وخرافات،جھوٹی باتوں اوراسرائیلیات سےاللہ ربِّ ذوالجلال کی پناہ مانگتےہیں۔''شیخ''،نصیحت کرتےہیں کہ:

جھوٹی روایتوں کی بنیادپریہ عقیدہ بنائیں کہ:

اللہ تعالیٰ قیامت کےدن نبیﷺ کواپنےمقاماتِ کبریائی یعنی عرش وکرسی پراپنےساتھ بٹھائےگا۔(صفحہ۱۸۸)

جھوٹی روایت کی بنیادپراس بات پریقین رکھیں کہ:

ایک مرتبہ مکے میں نبیﷺ سورۃ النجم کی تلاوت فرمارہےتھےتوآپﷺ کواونگھ آگئی اورشیطان نےآپ سےبتوں کی تعریف کروادی۔(صفحہ۲۲۹)

بغیرکسی سندکےاس بات پریقین رکھیں کہ:

ہُدہُدنےخبرسنانےسےپہلےسلیمان علیہ السلام کوسجدہ کیاتھااورسلیمان علیہ السلام نےبھی اس پرکوئی تنبیہ نہیں فرمائی۔(صفحہ۲۴۱)

ان واہیات پریقین رکھیں کہ:

ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام کےگھرمیں ۴۰دن تک بت کی پوجاہوتی رہی،سلیمان علیہ السلام اس سےبےخبرتھےمگرپھربھی اللہ تعالیٰ نےیہ بےانصافی کی کہ اس کی سزاسلیمان علیہ السلام کودی یعنی ۴۰دن کےلیےان سےحکومت واپس لےلی،آپ حیران وپریشان گھومتےرہے،لوگوں سےکھانےکی بھیک مانگتےلیکن کوئی کچھ نہ دیتا،لوگ پتھرمارکران کاسرپھاڑتےرہتےتھے،منہ پرتھوکتے،پیشاب پھینکتے،۴۰دن بعدآپ کوایک مچھلی کےپیٹ سےوہ انگوٹھی ملی جس کےپہننےکےبعدآپ کےحالات درست ہوگئے۔(صفحہ۲۶۵،۲۶۶)

اس اسرائیلی روایت کو مان لیں جس میں مرتبۂ نبوت کی توہین کی گئی ہے کہ:
ایک سابقہ بدکار عورت نے ایک نیک آدمی سے نکاح کیا تو اس کے بطن سے سات پیغمبر پیدا ہوئے۔(صفحہ ۲۹۷)

اس کفر کو اختیار کریں کہ:
اگر جنت کی کوئی عورت دنیا میں ہوتی تو تمام فرشتے، انبیاء اور رسول اسے دیکھ کر فتنے میں مبتلا ہو جاتے۔(صفحہ ۳۳۶)

خلافِ قرآن عقیدہ رکھیں کہ:
سورتیں پڑھ کر صاحبِ قبر کو اس کا ثواب ایصال کیا جاسکتا ہے۔(صفحہ ۱۴۸) رفع حاجت اور استنجاء کے دوران ناقابلِ بیان شرمناک اور اُوٹ پٹانگ حرکتیں کریں۔(صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۵)

اللہ تعالیٰ کا باغی بننے کے لیے یقین کریں کہ:
قوالی کے دوران ناچنے، کپڑے اتارنے، ان کپڑوں کو حاضرین میں تقسیم کرنے کا ایک خاص شرعی طریقہ ہے جس کی تفصیل (صفحہ ۶۳۲ سے ۶۳۵) تک بیان کی گئی ہے۔ پورا ہفتہ بدعات میں گذارنے کے لیے ہفتہ، اتوار، پیر، منگل غرض ہر دن کے لیے ایک مخصوص صلوٰۃ ادا کریں، ان میں سے ہر صلوٰۃ کی جھوٹی فضیلتوں کو بھی سچ جانیں۔(صفحہ ۵۶۷ تا ۵۷۰)
اسی طرح پورے ہفتے کی ہر رات کے لیے صلوٰۃ مخصوص ہے، ان کی جھوٹی فضیلتوں کو بھی سچ جانیں۔(صفحہ ۵۷۱ تا ۵۷۲)

اُس لمبی چوڑی جھوٹی روایت کو صحیح مانیں جس میں بتایا گیا ہے کہ:
ابلیس نے جب سات انڈے دیئے تو اس میں سے سات بچے نکل آئے جو اولادِ آدم علیہ السلام کو گمراہ کرنے لگے، اور شیطان کی ایک بیوی ہے جس نے ایک مرتبہ ۳۱ انڈے دیئے جس سے شیطان کی ساری نسل بحر و بر میں پھیل گئی (صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۶)۔

اس جھوٹی بات کو مانیں کہ:
نبی ﷺ نے معراج کی شب اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ میرے بعد علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیں۔(صفحہ ۱۹۸)
شیعوں کی طرح جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین رنجش میں علی رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھیں۔(صفحہ ۲۰۰)

یہ بیکار عمل کیا کریں کہ:
تدفین کے بعد قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر اپنے مُردے کو کلمۂ شہادت یاد کرائیں،

یہ کلمات بھی یاد کرائیں کہ:
''میں اللہ کے ربّ ہونے پر، محمد ﷺ کے رسول ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، قرآن کے امام ہونے پر، مسلمان کے بھائی ہونے پر اور کعبے کے قبلہ ہونے پر رضامند ہوں''۔(صفحہ ۵۶۵)

جلیل القدر پیغمبر ابراہیم علیہ السلام پر یہ جھوٹی تہمت لگائیں کہ:
انہوں نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے لٹانے سے پہلے خیال کیا کہ الٰہی یہ کیسا حکم ہے؟ اگر یہ ذبیحہ کسی اور کے ہاتھ سے ہوتا تو بہتر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آپ ہی کو کرنا ہوگا۔(صفحہ ۴۳۵)

اس بے سند و بیہودہ بات کو مانیں کہ:
جنت میں اسرافیل علیہ السلام، حوریں اور پرندے راگ اور نغمے گائیں گے۔(صفحہ ۳۱۳)

بسم اللہ کے ہر حرف کی ''تفسیر''، ''شیخ'' سے جان لیں، جو کہ نبی ﷺ نے بھی نہیں بتائی:
(صفحہ ۲۵۲ تا ۲۵۴) (خود پڑھیں)

خلافِ قرآن عقیدہ بنائیں کہ:
قرآنِ مجید کا نزول رجب میں ہوا، رجب کی ستائیسویں رات میں عبادت کا ثواب لیلۃ القدر سے بھی زیادہ ملتا ہے۔(صفحہ ۳۵۹) وغیرہ وغیرہ مزید خرافات......

''غنیۃ الطالبین'' ایسی ہی باتوں سے بھری پڑی ہے، دیگر یہ کہ عبدالقادر جیلانی کے اِن اقتباسات کے لیے مبشر حسین لاہوری کی تفردات کے عنوان تلے تحریر کردہ ''توجیہات'' اور حکیم محمد صادق سیالکوٹی کے لکھے ہوئے ''تعریفی کلمات'' دراصل کفر و شرک و بدعات کو پروان چڑھانے کے سلسلے کی ''اسناد'' ہیں۔ اِلٰہِ واحد کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اِن ''شیخوں'' سے اور ان کی تعلیمات سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے ''حق'' کو نازل فرمانے والے اللہ ربّ العالمین کے اس حکم کی تعمیل ہونی چاہیے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿المائدہ:۵۷﴾

''اے ایمان والو! ان لوگوں کو ہرگز دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل تماشہ بنا رکھا ہے، چاہے ان میں سے ہوں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی یا (تمہاری اپنی قوم کے) کفار ہوں، دیکھو اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو''۔

بقیہ از بدعات

ایک فریق توحید باری تعالیٰ کے حوالے سے کتاب اللہ کی محکم آیات سے استدلال کرتا ہے اور اس وسیع و عریض کائنات کی تخلیق اور اس کے حسنِ انتظام کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہے، جبکہ فریق ثانی کے پاس دلیل کے طور پر ماسوائے ظنّیات اور جھوٹی حکایات کے کوئی مواد نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ دوسرے فریق ہی کی بات کو ترجیح دیتے ہیں اور اُن کو ھادی و رہنما تسلیم کرتے ہیں۔ بہرحال لوگوں کے اس رویّے کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ:

قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿الزمر:۴۶﴾

(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، غائب اور ظاہر کے جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں میں فیصلہ کرے گا کہ جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ

انسانوں کے دشمن، شیطان نے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت، اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت وسربلندی کے لئے کوشش ومحنت، جہنم سے بچنے اور جنّت تک پہنچنے کے عظیم ترین مقاصد کی راہ سے روکنے کے لئے طرح طرح کے کانٹے بچھا رکھے ہیں۔ان میں سے ایک لہولہان کردینے والی چیز تمباکونوشی ہے۔تمباکو ہمارے ملک میں نسوار، گٹکا، پان وغیرہ کی شکل میں منہ میں رکھا، یا کھایا جاتا ہے اور حقّہ سگریٹ وغیرہ کی شکل میں اس کا ''دھواں'' پیا جاتا ہے۔ ہمارا محسن ربّ تو چاہتا ہے کہ ہمارے ظاہر اور باطن کی اصلاح ہو اور ہمیں ظاہری وباطنی پاکیزگی حاصل ہو تاکہ ہم اصل انسانی صفات کے حامل ہوکر عزّت وشرافت کی بلندیوں پر پہنچ جائیں۔ چنانچہ ربّ العالمین نے اپنی مقدس کتاب کے ذریعے ہمیں جو تعلیمات دی ہیں اُن میں یہ بھی ہے کہ ایک مومن، موحّد اور عقلمند شخص کا کھانا پینا صرف وہی ہوسکتا ہے جو کہ پاکیزہ ہو:

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿المآئدۃ:٨٨﴾

''اور اللہ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو''۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴿البقرۃ:١٦٨، ١٦٩﴾

''اے لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطانی راہ پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھُلا دشمن ہے۔ وہ (تمہاری بربادی کے لئے) تمہیں بُرائی اور بے حیائی کا اور اللہ کے بارے میں اُن باتوں کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں ہے''۔

پھر ایمان والے تو لغویات کی شکل میں شیطان کے بچھائے ہوئے ہر کانٹے سے بالکل کنارہ کش رہتے ہیں، جیسا کہ سورۃ المومنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ ﴿المؤمنون: ١، ٢، ٣﴾

''یقیناً ایمان والے فلاح پاگئے۔ جو اپنی صلوٰۃ میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔اور جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں''۔

دراصل شیطان کی کوشش ہے کہ انسان میں حیوانوں جیسی آزادی اور بے شعوری پیدا ہوجائے کہ یہ صرف نام کے انسان اور پست ترین مخلوق بن جائیں۔ دیکھیے، جیسے کہ کوّے بطخیں، مُرغیاں وغیرہ، گندے پانی کے جوہڑ، کچرے کے ڈھیر اور کسی بھی گندی جگہ سے طرح طرح کی بدبودار، ناپاک اور غلیظ چیزیں کھاتے رہتے ہیں، کیونکہ یہ بے شعور مخلوقات کھانے پینے کے معاملے میں پاک وناپاک کی حدبندی سے آزاد ہیں لیکن عقل وشعور اور بُرے بھلے میں تمیز کرنے والے اختیار کے حامل ''انسان'' کا معاملہ ایسا ہرگز نہیں، کجا کہ ایمانِ خالص کے حامل ''مومنین'' معاشرے میں حیوانی طرز کی خصلتیں اپنانے والوں میں شامل ہوکر اپنے کردار وعمل سے، اپنے اہل وعیال، حلقہٴ احباب اور معاشرے کے لیے حرام وحلال اور پاک وناپاک کی حدود کے تعیّن کو مشکوک بناڈالیں! ''تمباکونوشی'' (اور اِسی ضمن میں چھالیہ پان، گٹکا اور نسوار لگانے) کی عادت محض کانٹا نہیں بلکہ ایسی کانٹے دار جھاڑی ہے جو کسی انسان کی نیک کمائی کو ضائع کرنے کے لئے بہت سارے کانٹوں سے بھری پڑی ہے۔اس کے ذریعے نہ صرف انسان کی جسمانی اور نفسیاتی پاکیزگی پر گہرے زخم لگ جاتے ہیں بلکہ انسان ''اسراف'' یعنی فضول خرچی کرنے والوں میں بھی شامل ہوجاتا ہے، جبکہ اسراف سے ہمارے پروردگار نے ہمیں منع فرمایا ہے:

وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ﴿الانعام: ١٤١﴾

''اور اسراف نہ کرو! یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) اسراف کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے''۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ﴿الاعراف: ٣١﴾

''اے اولادِ آدم! اختیار کرو اپنی زینت ہر صلوٰۃ کے ساتھ۔ اور (حلال وپاکیزہ چیزیں) کھاؤ اور پیو، اور اسراف نہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا''۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ ﴿بنی اسرآءیل: ٢٦، ٢٧﴾

''اور رشتے داروں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو اور اسراف اور بے جا خرچ کرنے سے بچتے رہو۔ یقیناً بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے''۔

نسوار، پان، گٹکا وغیرہ خریدتے ہی انسان کس حد تک گر سکتا ہے، یہ درج بالا آیات سے واضح ہے۔ پھر شیطان کا بھائی بننے کے خطرے کی وجہ سے شاید ہی کوئی مومن ایسا ہو جو ان چیزوں کو کھانا یا پینا تو درکنار ان لغویات کو دیکھنا بھی گوارا کرے! یقیناً ایک مومن ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ ہی مانگے گا، اور انہیں مصیبت اور گند سمجھنے میں ذرا سی بھی غلطی نہ کرے گا۔ ایک متقی اور مہذب شخص تو اِن گندی اور بدبودار چیزوں کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتا، لیکن جو لوگ اس مصیبت میں گرفتار ہیں اُن کی آگاہی کے لئے مجبوراً ان چیزوں کے بارے میں لکھنا پڑا۔

بعض اوقات تو لوگوں کو یہ بدبودار اور شیطانی ہتھیار اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر یعنی مسجد میں بھی استعمال کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے حالانکہ اسے مسجد میں استعمال کرنا مسجد کی بے حُرمتی ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ ﴿المآئدۃ: ٢﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو''۔

پھر اس عادت کی وجہ سے باجماعت صلوٰۃ اور صومِ رمضان کو ترک کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے۔ بہت سے لوگ تو افطار کے فوراً بعد مذکورہ گندی چیزوں کو منہ سے لگا لیتے ہیں اور پھر طبیعت اتنی بوجھل یا سُست ہوجاتی ہے کہ یا تو صلوٰۃ المغرب کی جماعت چھوٹ ہی جاتی ہے یا پھر دیر سے شرکت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے ایمان وعمل کے لئے یہ چیزیں اُتنی ہی ہلاکت خیز ہوتی ہیں جتنی کہ شراب اور جوا، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے ان نجس چیزوں کی بھی اتنی ہی ہلاکت خیزی بیان فرمائی ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ ﴿المآئدۃ: ٩١، ٩٢﴾

''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان

عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور صلوٰۃ سے روک دے۔ اب (اتنا بڑا نقصان سن کر) کیا تم ان چیزوں سے باز آتے ہو؟ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور بچ جاؤ! لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) پر تو بس صاف صاف حکم پہنچا دینے ہی کی ذمہ داری ہے''۔

جو لوگ سگریٹ نوشی، نسوار، گٹکا یا پان وغیرہ سے نفرت کرتے ہیں، اُنھی کے پاس اِن گند بھری چیزوں کا استعمال کیا جانا اُن کے لئے زحمت کا باعث بنتا ہے اور بعض اوقات اس گندی عادت کی وجہ سے دانا و متقی لوگوں کی دوستی اور محبت سے محروم ہونا پڑ جاتا ہے۔ بہت سے شرفاء ایسے لوگوں کے ساتھ بس سلام کرنے اور مزاج پُرسی کی حد تک ہی تعلق رکھتے ہیں۔

کہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلانے کا مبارک موقع مل جائے تو منہ میں اس دشمن دین کے موجود ہونے کی وجہ سے یا تو دعوتِ دین سے محرومی دیکھنا پڑتی ہے (جس کا ایک ایک قول سب سے بہتر قول اور عبادت ہے) اور یا پھر بہت سے لوگ تو اسے کھاتے پیتے ہوئے ہی دین کی دعوت دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے دعوت پر کچھ اثر نہیں پڑے گا، حالانکہ ایسے لوگ دراصل اپنے عمل سے دعوتِ دین کی ناقدری کا ثبوت دیتے ہیں۔ تمباکو کھاتے یا پیتے ہوئے یا منہ میں نسوار لگاتے، نکالتے ...... اللہ تعالیٰ کا مقدس نام لینا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا پڑھنا بہرحال ایک ایسے شخص کا کام نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کے نام اور اُس کی آیات کے احترام کا جذبہ اور ایمان خالص کے حاملین سے وابستگی رکھتا ہو۔

تمباکو کو عام طور پر سکون آور اور چستی لانے والی چیز سمجھا جاتا ہے، لیکن ایسا دراصل حقیقت کو نہ جاننے کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت کو ہم اس سادہ مثال کے ذریعے جان سکتے ہیں کہ اگر ایک درخت کی شاخ سے جھولا لٹکا ہوا ہو جو معمولی ہوا کی وجہ سے کبھی آگے اور کبھی پیچھے یعنی آہستہ آہستہ آگے پیچھے ہل رہا ہو اور اس کی اس معمولی حرکت کو روکنے کے لئے اس پر صرف ایک اُنگلی سے ہی ذرا سا دباؤ ڈالنا کافی ہو، لیکن اس کے بجائے کوئی شخص اسے پکڑ کر کئی قدم پیچھے جا کر کھڑا ہو جائے، تو جب تک یہ اُس شخص کے ہاتھوں میں رہے گا ساکت رہے گا، لیکن جب وہ وہیں سے اسے چھوڑ دے گا تو جھولا پہلے سے کئی گنا زیادہ تیزی کے ساتھ آگے اور پیچھے جھولتا چلا جائے گا، یعنی اس کی حرکت پہلے سے کئی گنا زیادہ لمبی اور تیز ہو جائے گی۔ اسی طرح انسانی جسم پر تمباکو اور متعلقہ اشیاء کے ہونے والے ''فوری اثرات'' عارضی نوعیت ہی کے ہوتے ہیں۔

دراصل، تمباکو کے مکروہ اور بدبودار پتے میں فعّال اور زہریلے مواد نکوٹین (NICOTINE) کا انسانی جسم میں داخل ہونے کے بعد فوری اثر انسان کے اعصاب پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے عارضی طور پر اعصاب پر سے ہیجانی کیفیت ہٹ جاتی ہے، یہ اثر ضرورت سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس حالت کو لوگ سکون کا نام دیتے ہیں۔ لیکن جونہی تمباکو کا یہ غیر فطری اثر زائل ہوتا ہے تو ردِّ عمل کے طور پر اعصاب پر پہلے سے زیادہ ہیجانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس موقع پر متاثرہ شخص خود کو دوبارہ تمباکو کا ضرورت مند سمجھ کر پھر تمباکو نوشی کرتا ہے، اس طرح سے طلب کے بعد تمباکو نوشی اور تمباکو نوشی کے بعد پھر طلب کا دَور چلتا رہتا ہے۔ تمباکو کے اسی دھوکے کو عرب کے ماہرِ منشیات پروفیسر ڈاکٹر محمود الھواری نے اپنی کتاب ''المحذرات من القلق الی الاستعباد'' میں یوں بیان کیا ہے (جس کا ترجمہ محمد ظہیر الدین بھٹی نے ''منشیات اور اس کی تباہ کاریاں'' کے نام سے کیا ہے) ''یہ نوٹ کیا گیا ہے کہ بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ، مصنّف، سائنسدان وغیرہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی محنت، پائپ نوشی یا سگریٹ نوشی کے تعاون سے ہی جاری رکھ سکتے ہیں۔ حالانکہ تمباکو میں ایسی کوئی بیدار کُن تاثیر نہیں پائی جاتی جو براہِ راست اعصابی نظام پر اثر انداز ہو اور یوں انسان میں چستی پیدا کر دے۔ اصل یہ ہے کہ اس کا تعلق بعض شرطی ردِّعملوں سے ہوتا ہے جو تمباکو نوشی کی عادت سے پیدا ہوتے ہیں اور پھر تمباکو نوشی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تجربات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ تمباکو نوشی کا چستی، حافظہ اور توجہ پر بُرا اثر پڑتا ہے''۔

(منشیات اور اس کی تباہ کاریاں، صفحہ ۹۶، ۹۷، مطبوعہ: ادارہ مطبوعات سلیمانی، اُردو بازار لاہور)

بس یہی ہے تمباکو کا دیا ہوا ''سکون'' اور ''چستی'' جسے نہ جاننے کی وجہ سے لوگ پان، سگریٹ، نسوار وغیرہ پر تھوکنے کے بجائے اسے استعمال کرتے ہی رہتے ہیں۔ تمباکو کو سکون آور کہنے کے بجائے اس کا دوسرا نام جو سائنسدان اسے دیتے ہیں وہی حقیقت پر مبنی ہے یعنی ''مشتعل کر دینے والا مرکب''۔ نکوٹین کے زہریلے پن کی طاقت بتائی گئی ہے کہ: ''اس کی ۲ سے ۱۶ سینٹی گرام مقدار، انسان کی ہلاکت کے لئے کافی ہے''۔

تمباکو جو کہ اعصابی ریشوں کو تباہ کر دیتا ہے، اس کا عادی شخص رعشہ (ہاتھوں کا کانپنا) ، نامردی، بدہضمی، ہائی بلڈ پریشر، منہ، گلے اور پھیپھڑوں کے کینسر، لاغری اور دوسری کئی بیماریوں کا شکار ہو سکتا ہے۔ تمباکو نوشی سے تحفے میں ملے ہوئے کینسر کے مریضوں کی خوفناک حالت کو ہسپتالوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یعنی، کھانے پینے کی صلاحیت سے محروم بلکہ منہ کھولنے کی صلاحیت سے ہی محروم۔ سُوجا اور بگڑا ہوا چہرہ۔ منہ یا گلے میں بڑا سا بد گوشت یا لوتھڑا۔ سڑاند۔ ناقابل برداشت درد۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا۔ غذا کے لئے ناک میں نلکی لگی ہوئی۔ عام لوگ قریب آنے سے متنفر۔ اگر آپریشن کا فیصلہ ہو تو سرجن منہ کے کینسر زدہ حصے کو کاٹ کر علیحدہ کر دیتا ہے، اس آپریشن میں مسوڑھوں سمیت جبڑے اور جلد کی کٹائی بھی ہو سکتی ہے، مختلف جگہوں سے جلد کی کٹائی کی وجہ سے سرجن کو ادھر اُدھر سے کھال کھینچ کر سلائی کرنی پڑتی ہے جس کے بعد چہرے کی جو بدتر حالت ہوتی ہے اُس سے اللہ پاک کی پناہ۔ کیس زیادہ خراب ہو تو ڈاکٹروں کی جانب سے بار بار ''بس دعا کریں'' یا ''چاہیں تو انہیں گھر لے جائیں'' کے الفاظ میں ناکامیٔ علاج اور موت کے خطرے کی یاددہانی!! یہ سب جاننے کے بعد کون عقلمند ہوگا جس میں تمباکو نوشی کی ذرا بھی ہمت رہے۔ نکوٹین نفسیاتی زہر ہے، جس سے انسان کے ذہن یا سوچ پر بُرے اثرات پڑتے ہیں۔ اگرچہ تمباکو نوشی کی عادت چاہے کتنی ہی پرانی ہو، اسے ترک کرنا بہت ہی آسان ہے۔ اس کے ترک کرنے کے لئے کسی دوا وغیرہ کی ضرورت بھی نہیں ہوتی، نہ ہی اس کے ترک کرنے یا بالفاظ دیگر طلب کے وقت اسے نہ کھانے سے آج تک کسی کی موت دیکھنے میں آئی ہے اور نہ ہی کسی کا شدید بیمار ہو کر ہسپتال میں داخل ہونا سُنا ہے، لیکن تمباکو نوشی کرنے والا طلب کے وقت خواہش کے آگے بے بس اور بے خود سمجھ کر اپنے آپ کو اس زہر کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ کوئی چھوٹی سی غلطی نہیں ہے بلکہ تمباکو نوشی کرنے والے نے بدقسمتی سے اپنے ذہن کو وہمی بننے یا محض تصوراتی چیزوں پر یقین کرنے کی اجازت دے رکھی ہوتی ہے۔ نکوٹین کی وجہ سے ذہن کے متاثر ہونے کو ڈاکٹر کاشی نے یوں بیان کیا ہے:

''تمباکو سے دماغی تھکاوٹ (BRAIN-FATIGE) خیالات کی یکسوئی میں نااہلیت پیدا ہوتی ہے یہاں تک ہی نہیں بلکہ یہ بعض وقت پاگل پن کی حالت تک بھی پہنچ جاتی ہے......''۔

(انسائیکلوپیڈیا آف ہومیو پیتھک ڈرگز، جلد ۲، صفحہ ۲۲۶)

صراطِ مستقیم پر چلنے کا ارادہ رکھنے والے تو تمباکو کا درج بالا اثر سن کر کانپ جائیں گے کہ یہ اُن کی راہ میں پڑا ہوا کتنا بڑا خطرہ ہے اور یقیناً وہ اس سے

دُور دُور رہ کر چلنے میں ہی اپنی عافیت سمجھیں گے۔ بڑھی ہوئی ہیجانی کیفیت، کے اُتار چڑھاؤ، اشتعال، دماغی تھکاوٹ، توجہ یا خیالات کی یکسوئی کی نااہلیت، حافظے کی کمی، بے خودی اور وہم کی قبولیت جیسے نفسیاتی مسائل میں ایک طویل مُدت سے، دن رات اور بار بار مبتلا رہنے والے انسان کے ساتھ یہ مسائل مل کر کیا کھیل کھیلتے ہیں اسے جاننے کے لیے اگر کسی تمباکو زدہ شخص کے ساتھ کچھ عرصہ گزارا جائے تو نظر آئے گا کہ اُس کی عادات واطوار میں درج ذیل سارے یا ان میں سے کم وبیش نقائص ضرور موجود ہیں:

کبھی کسی معاملے میں حد سے زیادہ غصہ اور کبھی اُسی معاملے میں بے حد تحمل، کبھی کسی پر اعتماد اور کبھی اُسی پر شکوک وشبہات، کبھی کسی کام میں دلیری اور کبھی اُسی میں بزدلی، کبھی زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور کبھی فحش گوئی، کبھی ضرورت کے وقت نیند کا فقدان اور کبھی بے وقت غنودگی، کبھی کسی کے لئے جاں نثاری کی باتیں اور کبھی اُسی سے حسد اور بغض وعناد، کبھی کسی کام میں پُر اُمید اور کبھی نااُمیدی، کبھی کسی معاملے میں صابر اور کبھی اُسی میں بے صبری، کبھی نوافل تک کا اہتمام اور کبھی فرائض سے بھی غفلت، صبح کچھ اور شام کو کچھ، یہاں کچھ اور وہاں کچھ، کبھی کسی کام میں چستی اور کبھی سستی، کبھی کسی کام کے پختہ ارادے اور کبھی اُسی میں ٹال مٹول، کبھی کسی سے لڑائی جھگڑے اور کبھی صلح صفائی...... غرض مزاج میں بے خودی، اُتار چڑھاؤ اور تضاد نظر آتا رہتا ہے۔

تمباکو نوشی کا مریض ان کمزوریوں میں بھی مبتلا ہوسکتا ہے: چڑ چڑا پن، بے چینی، شہوت کی زیادتی، بدنظری، رائی کا پہاڑ بنانا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اشتعال میں آجانا یا عدم برداشت، گالی گلوچ، تجسس، جلد بازی، کاموں کو ادھورا چھوڑنا، کام چوری، غمگینی، اُداسی، احساس کا دیر سے پیدا ہونا، قوتِ فیصلہ کی کمی، ذہنی دباؤ، ذہنی تناؤ، مرعوبیت، عیاشی کی خواہش اور عیاشی کے لئے بہت ساری دولت کی خواہش، باتونی، خیالی پلاؤ پکانے کی عادت، سہولت پسندی، دروغ گوئی، بے ربط گفتگو، توجہ طلب کاموں مثلاً مخاطب یا مقرر کی باتوں کے دوران یا صلوٰۃ ادا کرنے میں یا کسی کتاب کے پڑھنے میں توجہ نہ دے سکنا، مسخرہ پن، پاک وصاف رہنے کے رجحان میں کمی وغیرہ۔ ان تمام بُرائیوں میں شدّت، تمباکو نوشی کی کثرت اور اس عادت کی پختگی پر منحصر ہے۔

یقیناً معاشرے کی اخلاقی گراوٹ اور نفسیاتی بگاڑ میں تمباکو نوشی، گٹکا، پان، چھالیہ اور نسوار کا بڑا ہاتھ ہے اور یہ تمام اشیاء ''خبائث ولغویّات'' میں شامل ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں لغویّات سے مراد دنیا کی دل لگی کے لیے ''ایسے کھیل تماشے'' اور کھانے پینے کی یا کسی اور طرح سے برتنے کی ''وہ اشیاء'' کہ جن سے شیطانی اُکساہٹ پر کوئی رقم خرچ ہو یا کم از کم آخرت کی تیاری کا قیمتی وقت تو ضرور ہی برباد ہوجائے۔ باالفاظِ دیگر ومختصر (جن خواہشوں کی تکمیل ''تقویٰ'' کے حصول میں مانع ہو) چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے بموجب تمباکو اور اس کے قبیل کی بیان کردہ اشیاء کھانے پینے کی ''عادت'' گھریلو ناچاقی، کاروباری غلطیوں اور لڑائی جھگڑوں سے لیکر نفاق تک میں مبتلا کرنے کی ذمہ دار ہوسکتی ہے۔ اس عادت کو ہمیشہ کے لیے ترک کرکے انسان خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنے سے رُک جاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے:

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛ وَاَحۡسِنُوۡا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿البقرۃ:۱۹۵﴾

''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ پڑو اور سلوک واحسان کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

اس بُری عادت کو ترک کرنے کے لیے بس تھوڑی سی ہمت اور بزدلی سے بچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کو ترک کرنا بلاشبہ ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اس نیکی کے بدلے میں کیا کچھ مِل سکتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿مریم:۹۶﴾

''بے شک جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کے لئے اللہ رحمٰن محبت پیدا کردے گا''۔

اس آیت کی مزید وضاحت نبی ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ:

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ ''میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اُس سے محبت کر۔ پس جبرائیل علیہ السلام بھی اُس سے محبت کرنی شروع کردیتے ہیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت فرماتا ہے، پس تمام آسمان والے بھی اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں بھی اُس کے لیے قبولیت اور پذیرائی رکھ دی جاتی ہے۔'' ﴿صحیح بخاری، کتاب الادب، باب المقت من اللّٰہ تعالیٰ﴾

اب دیکھیے! ایک طرف تمباکو نوشی جاری رکھ کر معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کا ناپسندیدہ بندہ ہونے اور خود کو اپنے ہی ہاتھوں سے ہلاک کرنے کا راستہ ہے اور دوسری طرف تمباکو نوشی پر ہمیشہ کے لیے لعنت بھیج کر اللہ تعالیٰ، جبرائیل علیہ السلام، تمام آسمان والوں (جن میں تمام دوسرے فرشتے شامل ہیں) اور زمین والوں میں محبت وقبولیت پالینے کا راستہ ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سچے متلاشی اور اللہ تعالیٰ کے مخلص اور شکر گزار بندے اس دوسرے ہی راستے پر چلیں گے اور اس پر چلنے میں ذرا سی بھی دیر نہیں کریں گے کیونکہ ملک الموت کے آنے کے لیے نہ انسان کا بوڑھا ہونا شرط ہے اور نہ بیمار ہونا، وہ تو بس اللہ تعالیٰ کا حکم ملتے ہی آکر روح قبض کرلیتے ہیں اور قیامت تک کے لیے دُنیا سے باہر کردیتے ہیں، چاہے انسان بوڑھا ہو یا نوجوان، بیمار ہو یا صحت مند، مرنے کے لئے راضی اور تیار ہو یا نہ ہو، زندگی کے بہت سارے اہم کام کرچکا ہو یا ابھی باقی ہوں۔ باالفاظِ دیگر، تمباکو، پان، گٹکا، نسوار، چھالیہ وغیرہ چھوٹنے سے پہلے ہی انھیں چھوڑ دینے میں لازوال کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام خبائث ولغویّات سے بچتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

صاحبانِ علم وقلم توجہ فرمائیں!

اعلائے کلمۃ اللہ، دعوتِ ایمان کی سربلندی وفروغ اور مؤمنوں کی اصلاح وتربیت کے ضمن میں تحریر کا ملکہ رکھنے والے تمام ساتھیوں سے جماعتی جریدہ ''حبل اللہ'' کے لیے علمی وقلمی تعاون کی پُرزور درخواست کی جاتی ہے۔ برائے کرم درج ذیل ہدایات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے مضامین اور آراء مرکز کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

- تحریر قرآن وحدیث کے دلائل سے مزیّن ہو۔
- قرآنی آیات کی تشریح وتفسیر آیات قرآنی، صحیح احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں ہو۔
- قرآنی آیات کا حوالہ (سورۃ، آیت نمبر) اور حدیث کا حوالہ (حدیث نمبر، کتاب، باب) ضرور درج کیا جائے۔
- کسی دوسری کتاب کے حوالے کے ساتھ کتاب ومصنف کا نام، صفحہ نمبر، ناشر اور پتہ درج کیا جائے۔
- کسی کتاب کا اقتباس یا کسی کا قول ہو بہو اُن ہی الفاظ میں کوما ''Inverted Commas'' کے اندر تحریر کیجیے۔
- برائے کرم اپنی تحریر، مضمون صفحہ کے ایک طرف خوشخط لکھ کر یا کمپیوٹر کمپوزنگ اپنے نام، حلقہ، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کے ساتھ کے ساتھ ارسال کیجیے نیز سوفٹ کاپی بذریعہ ای میل (hablullah@emanekhalis.com) بھیجنا زیادہ بہتر ہوگا۔
- حبل اللہ کے معیار پر پورا اترنے والے مضامین وتحاریر اپنی باری پر شاملِ اشاعت ہوں گے۔ ان شاءاللہ مجلہ حبل اللہ کو بہتر سے بہترین بنانے کے لیے اپنی قیمتی آراء وتجاویز سے ضرور مطلع فرمائیں۔
- مستقل سلسلہ ''قافلہ ہے رواں دواں'' وقت کی کمی کی وجہ سے شاملِ اشاعت نہ ہوسکا۔ الحمد للہ ملک کے طول وعرض میں دعوت الی اللہ پر مبنی کاوش مسلسل جاری وساری ہے۔

قرآن کی تنزیل کا مطالعہ کیجیے تو نظر آئے گا کہ ہمیشہ اصلاح کے لیے پہلا قدم یہی رہا ہے کہ باطل عقائد پر سب سے پہلے ضرب لگائی جائے اور پوری طرح سے اُن کا پول کھول ڈالا جائے۔ تیرہ ۱۳ سال کی مکی زندگی میں مشرکین عرب کا کوئی باطل عقیدہ ایسا نہ تھا جس سے تعرض نہ کیا گیا ہو۔ ایسے ہر ہر عقیدے کی سفاہت، اس کا فساد، واضح کر کے اس کی جگہ پر عقیدۂ حق کی برکتوں سے روشناس کروایا گیا۔ اور جب ہجرت کے بعد مدینہ میں اہل کتاب سے سابقہ پیش آیا تو سورۃ البقرہ، آل عمران، النسآء، المائدہ کے ذریعہ اہل کتاب کے عقائد کا تیاپانچا کر ڈالا گیا۔ آج بھی یہی کام ہونا چاہیے۔ یہ ''اتحاد ثلاثہ'' اگر پارہ پارہ نہ کیا گیا تو یہ موجودہ بے آبروئی نہ جائے گی اور انجام کار جہنم کی آگ سے بچنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ اس لیے وقت آ گیا ہے کہ کھول کر بے دھڑک اعلان کیا جائے کہ یہ ''دین اتحاد'' توحید قرآنی کا مقابلہ کرنے کے لیے ایجاد کیا گیا ہے اور آج تک کوئی صوفی ایسا نہیں گزرا جو ''اتحادی'' نہ ہو۔ یہ وہ دین ہے جس نے شرک و بدعت کو سند جواز دی ہے، طبیب کا رُوپ دھار کر بیمار کو اپنے ہاتھ سے زہر پلایا ہے، گمراہی کو خوش نما بنانے کے لیے اصطلاحات کا ایک جنگل تیار کیا ہے اور خالق و مخلوق، عبد و معبود کو ایک دوسرے میں سمو کر بے حساب ایسی ''مرکب ذاتیں'' پیدا کی ہیں جنہوں نے اپنی اپنی گدی سنبھالی ہے اور پھر یہ ''خدائی میراث'' باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتی رہی ہے...... ان کی محفلوں میں قرآن وحدیث کے بجائے کشف و کرامات، مراقبہ و مشاہدہ، وصل و ہجر، صحو و سکر کی آوازیں گونجتی رہی ہیں اور اگر کبھی انہوں نے قرآن وحدیث کا نام لیا بھی ہے تو صرف اپنے دین اتحاد کی مخصوص اصلاحات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے! جیسے وحدت الوجود کے ثبوت کے لیے اُس حدیث قدسی کو استعمال کیا گیا جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کی سماعت و بصارت بن جاتا ہوں، اُس کے ہاتھ و پیر بن جاتا ہوں...... اور ایسا کرتے ہوئے حقیقت و مجاز کے سارے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اسی طرح جب اپنی اصطلاحات صحو و سکر کے ثابت کرنے کا موقع آیا تو یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منافقین کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر لگائے ہوئے جھوٹے الزامات کو سچا مان کر ان خود ساختہ اصطلاحات کا ثبوت بہم پہنچایا گیا! جیسے علی ہجویری المعروف بداتا گنج بخش نے اپنی ''کشف المحجوب'' نامی کتاب میں داؤد علیہ السلام اور نبی ﷺ کی عصمتوں پر لگائے ہوئے جھوٹے الزامات کو جوں کا توں مان لیا اور اپنے زعم میں ثابت کر دکھایا کہ یہ سب صحو و سکر کی کرشمہ کاریاں تھیں!

ایمان خالص: صفحہ ۱۰۷

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم
يَقُولُ ...... اَمَّا بَعْدُ: فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ
وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَشَرُّ الْاُمُوْرِ
مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.......
"جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
...... اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرماتے تھے، کہ بیشک بہترین
بات اللہ کی کتاب ہے۔ اور بہترین راہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے،
اور بدترین چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔
(صحیح مسلم، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۱۹۰٤)